The Twelve Important Questions.

بارہ ضروری سوالات

مُصنّفہ

پادری سی۔ای میکارٹنی ڈی۔ڈی

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی

انار کلی لاہور

سنہ ۱۹۵۱ء

-/8/-

بارہ ضروری سوالات

مسیح کے بارے میں

مصنّفہ

پادری سی ای میکارٹنی صاحب ڈی ڈی

ڈاکٹر آئی یوناصر صاحب سابق سول سرجن پنجاب نے
اُردو خواں مسیحیوں کے افادہ کیلئے انگریزی سے ترجمہ کیا

سنہ ۱۹۵۱ء

بار دوم تعداد ۱۰۰۰

مُترجّم کا دیباچہ

مسیحیّت کے آغاز ہی سے ہمارے خداوند کی ذاتِ پاک اور اُس کی مقدّس زندگی کے واقعات پر ہر طرف سے حملے ہوتے آئے ہیں۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں مسیحی مذہب فی الحقیقت خود مسیح ہے۔ اور اور اسی وجہ سے شیطان کمربستہ ہو کر مسیح کی شخصیت پر یورش کر کے اُسے مسمار کرنا چاہتا ہے۔ اگر اُس نے اس قلعے کو سر کر لیا تو پھر اُس کی فتح ہی فتح ہے۔ اس مخالفت کے ہتھیار نہ فقط وہ لوگ رہے ہیں جو مسیحی جماعت کے باہر برملا برسرِ پرخاش ہیں بلکہ اکثر اوقات ایسے مادہ پرست اشخاص ہیں جو کلیسیا کی حدود کے اندر ہو کر مسیح کی معجزانہ پیدائش اور اُس کی زندگی کے اعجازی پہلو کو کلام الٰہی سے خارج کر دینا چاہتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اِس خفیہ مخالفت کا خمیر ہماری اس مُلک کی کلیسیاؤں میں بھی کم و بیش سرایت کر رہا ہے۔ ہمیں اس وقت ایسی کتابوں کی ضرورت ہے جو اس بے دینی کی رَو کے روکنے میں مدد دے سکیں۔ اس لحاظ سے ڈاکٹر میکارٹنی صاحب کی کتاب جس کا اُردو ترجمہ دُعا کے ساتھ مسیحی جماعت کے آگے پیش کیا جاتا ہے۔ ایک نہایت باموقعہ تصنیف ہے۔ اِس میں کوئی نئی تعلیم یا جدید خیالات کا اظہار نہیں بلکہ وہی پُرانے واقعات اور مسائل اُسی سادگی اور سادہ بیانی سے پیش کئے گئے ہیں۔ جو اصلی بیانات میں پائے جاتے ہیں۔ مسیح کے

بارے میں ہر ایک بات مسیحی محبت اور سادہ ایمان کے ساتھ عقلی اور نقلی
دلائل سے ثابت کی گئی ہے۔ گو اِس کتاب کا روئے سخن زیادہ تر جدید
تھیالوجی کے مقلّدوں کی طرف ہے۔ مگر جھگڑے اور تکرار سے اجتناب
کیا گیا ہے۔ جن اصحاب نے اس کو انگریزی میں پڑھا اُن کا پختہ
یقین ہے کہ خدا کے فضل سے اِس کے ترجمے سے اُردو خواں مسیحیوں کے
ایمان کو تقویت حاصل ہوگی ✦

مَیں اِس موقعہ پر چند الفاظ میں مسیحی خاتون مس اے۔ ایمی
ڈسنارٹ صاحبہ آنریری مشنری لودیانہ کا خاص طور پر شکریہ ادا کرنا
چاہتا ہُوں۔ جن کی قیمتی امداد کے بغیر اِس کتاب کی اشاعت ناممکن
تھی ✦

خُدا اِس محبت کی خدمت کو قبُول کرے اور اِس پر کثرت سے
برکت بخشے۔ آمین ✦

احقر آئی۔ یو۔ ناصر

بارہ ضروری سوالات مسیح کے بارے میں

فہرست مضامین

پہلا سوال

کیا مسیح کنواری مریم سے پیدا ہُوا؟

کہ رُوح القدُس تجھ پر نازل ہوگا اور خدا تعالیٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالیگی اور اس سبب سے وہ مولودِ مقدّس خدا کا بیٹا کہلائیگا۔ (لوقا ۱: ۳۵)

ابتدا ہی سے مسیحی کلیسیا یسُوع مسیح کے معجزانہ طور پر پیٹ میں پڑنے اور کنواری سے پیدا ہونے کو اُس ایمان کا ضروری جزو مانتی آئی ہے جو مقدّسوں کو ایک ہی بار سونپا گیا۔ بیدینوں کے لئے یہ مسئلہ ابھی ہر ایک صورت میں نفرت انگیز رہا ہے۔ تیسری صدی ہی میں مسیحیت کے مخالفوں نے کنواری سے پیدا ہونے کے بیان کو اپنے حملوں کا نشانہ بنایا۔ اور ہر زمانے میں مسیحی مذہب سے عداوت رکھنے والوں نے جو اس کو دُنیا سے خارج کر دینا چاہتے تھے۔ کلیسیائے جامع کے اس مسئلے پر سخت حملے کئے ہیں۔ اس لئے اگر آج کنواری سے پیدا ہونے کے خلاف قدیم حملوں کو تازہ کیا جاتا ہے تو کوئی حیرت کا مقام نہیں۔ اگر اُن پُرانے حملوں میں کوئی نئی اور حیرت انگیز بات ہے تو اُن اشخاص کی نسبت ہے جنھوں نے مخالفت کا شیوہ اختیار کر لیا ہے۔ قبل ازیں حملہ آور اشخاص غیر مسیحی اور ایسے مخالف تھے جو مسیحی کلیسیا کے حلقے سے باہر تھے۔ مگر آج وہ لوگ جو کلیسیا میں شامل ہیں ہمارے خُداوند کے کنواری سے پیدا ہونے کے خلاف عملاً وہی اعتراض پیش کرتے ہیں جو دُنیا کے مشہور دہریئے اور ملحد مثلاً اِنگرسول اور ہیکل اور پین اور والٹیئر اور سیلسس اور سپنوزا وغیرہ کر چکے ہیں۔ بعض لوگ بڑے زور سے کہتے ہیں کہ اس مسئلے کے ماننے سے

مسیحیت کے اعتبار اور عالی پایہ میں سرِ مُو فرق نہیں آتا۔ بعض اس حد تک چلے گئے ہیں کہ وہ اس مسئلے کو ایمان کے راستے میں ٹھوکر اور مسیح اور بنی آدم کے بیچ رکاوٹ کا باعث سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اناجیل میں کنواری سے پیدا ہونے کے افسانے بُت پرست اقوام کے نامی اشخاص کی اعجازی پیدائش کی قدیم روایات اور قصّوں کے طرز پر درج کر دیئے گئے ہیں +

چونکہ اس قسم کی باتیں کرنے والے مسیحی کلیسیا کی حدود کے اندر موجود ہیں یا ایسے اشخاص ہیں جن کا دُنیا کے آگے مسیح کی انجیل کی منادی کرنے کے لئے سنجیدہ طور پر تقرر ہوا۔ اس لئے ضرور ہے کہ طریقِ تجسّم کے مسئلے کا ازسرِنو اظہار کیا جائے۔ اور اُن محکم دلائل کی نظرثانی کی جائے۔ جن پر متعدد زمانوں سے کلیسیا کا اعتقاد اس صداقت پر قائم رہا ہے +

مسیحیت کے اس مسئلے پر بحث کرتے وقت یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ایک بڑا بھاری راز ہے جس پر سائنس نے باوجود اشیاء کی ترقی اور تغیرات کے علم کا مشرّح ہونے کے کچھ بھی روشنی نہیں ڈالی۔ اپنی پیدائش اور ہستی کے راز پر غور کرتے ہوئے مزمور نویس نے کہا کہ "میں تیری ستائش کرتا رہونگا۔ کیونکہ میں دہشت ناک طور سے عجیب وغریب بنا ہوں۔ تیرے کام حیرت افزا ہیں۔ اس کا میرے جی کو بڑا یقین ہے۔ جبکہ میں پردے میں بنایا جاتا تھا۔ اور زمین کے اسفل میں منقش ہوتا تھا تو میرے جسم کی صورت تجھ سے چھپی نہ تھی۔ تیری آنکھوں نے میرے بے ترتیب مادہ کو دیکھا۔ اور تیرے دفتر میں یہ سب چیزیں تحریر کی گئیں اور اُن دنوں کا حال بھی کہ کب بنیں گی۔ جب ہنوز اُن میں سے کوئی نہ تھی۔" اگر یہ بیان آدمی کی پیدائش اور اُس کے پیٹ میں پڑنے کے متعلق صحیح ہو تو

ہمارے خداوند یسوع مسیح کے پیٹ میں پڑنے اور پیدائش کی نسبت کیونکر راست نہ ہوگا۔ مقدس پولوس فرماتا ہے کہ "دینداری کا بھید بڑا ہے"۔ اور اس کے بعد وہ اس راز کی کیفیت بیان کرتا ہے۔ یہ تجسم یعنی خدا کے جسم میں ظاہر ہونے کا راز ہے۔

ہم کنواری سے پیدا ہونے کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے صفائی اور آسانی کے لحاظ سے اس مضمون کو دو حصوں میں تقسیم کرینگے۔ اول کنواری سے پیدائش کا واقعہ اور دوم اس واقعہ کا ماحصل یا دوسرے الفاظ میں مسیحی ایمان میں اس واقعہ کا تصور۔

۱۔ کنواری سے پیدائش کا واقعہ

کنواری سے پیدا ہونے کا مسئلہ درحقیقت ایک واقعہ کا سوال ہے۔ جو لوگ تواریخی مسیحیت کے ساتھ اسی ابتدائی بیان سے اختلاف رکھنا شروع کر دیتے ہیں وہ چرب زبانی سے یہ دعوے نہیں کرسکتے کہ مسیحی ایمان کے دیگر مسائل کی طرح یہ اختلاف بھی تشریح پر مبنی ہے۔ کیونکہ یہ معاملہ قیاس یا تشریح پر موقوف نہیں بلکہ فی الحقیقت ایک واقعہ ہے۔ کیا مسیح کنواری سے پیدا ہوا تھا یا نہیں؟ شروع ہی سے کلیسیا مانتی آئی ہے کہ مسیح کی پیدائش "اس طرح ہوئی" یعنے کہ وہ کنواری مریم سے پیدا ہوا۔ کوئی شخص اس اعتقاد کی قدامت یا اس کے عالمگیر ہونے کی نسبت جھگڑا نہیں کرتا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ اعتقاد شروع کیونکر ہوا؟ کیا یہ کوئی بناوٹی قدیم روایت یا قصہ کہانی ہے جس کا چالاکی سے پہلے شاگردوں کے ایمان اور عقل سے باور کرا لیا گیا؟ کیا یہ قصہ کسی جعلساز نے اصلی

نوشتوں کے اندر مُدّت کے بعد داخل کر دیا؟ یا جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے بہت سے دیندار مسیحیوں کا اعتقاد ہے کہ مسیح کے معتقدوں کی قدرتی خواہش کے مطابق اُس کی عجیب لاثانی شخصیت اور اعلیٰ سیرت کی وجہ سمجھانے کی غرض سے ایجاد کیا گیا جس طرح افلاطون اور آگسٹس اور ہرکیولیز کے حالات میں پایا جاتا ہے؟ یا کیا یہ کنواری سے پیدائش فی الحقیقت ایک واقعہ ہے؟ مسیحی کلیسیا کا اعتقاد ہے کہ یہ ایک صحیح واقعہ ہے جس سے کنواری سے پیدائش کا اعتقاد شروع ہُوا۔ ہمارے پاس اس واقعہ کا ثبوت کیا ہے؟

کنواری سے پیدا ہونے پر ہمارے اعتقاد کی بنیاد اناجیل کے بیانات ہیں۔ چار انجیلوں میں سے فقط دو یعنی متّی اور لوقا کی انجیل مسیح کی پیدائش کا بیان کرتی ہیں۔ مرقس مسیح کے یُوحنّا سے بپتسمہ پانے کے بیان سے شروع کرتا ہے۔ یوحنّا انجیل نویس کا بھی یہی حال ہے۔ مگر وہ پہلے ایک تمہید میں تجسّم کا ذکر کرتا ہے۔ گو وہ طریقِ تجسّم کے بارے میں ساکت ہے۔ مگر متّی اور لوقا دونوں سادہ اور پاکیزہ الفاظ میں مسیح کے کنواری سے پیدا ہونے کا حال درج کرتے ہیں۔ بظاہر اُن کے بیانات ایک دُوسرے سے غیر متعلق ہیں۔ مگر مخالف نہیں ہیں۔ بلکہ وہ بہت سے امور میں ایک دوسرے کے مؤید ہیں۔ اوّل متّی کی تحریر کا ملاحظہ کرو۔ وہ بیان کرتا ہے کہ ایک مرد بنام یُوسف ایک جوان خاتون مریم نامی سے بیاہ کرنے کو تھا۔ نکاح سے پیشتر اُسے معلوم ہُوا کہ وہ حاملہ ہے۔ یوسف کو اس سے شبہ پیدا ہو گیا کہ مریم نے ضرور بدفعلی کی ہے۔ ان حالات میں وہ اُس سے شادی نہیں کر سکتا تھا۔ مگر چونکہ وہ راستباز آدمی تھا۔ اُس نے بجائے اُس خاتون کو بدنام اور برملا رسوا کرنے کے یہ ارادہ کیا کہ اُسے چُپکے سے چھوڑ دے۔ ابھی وہ ان باتوں پر سوچ ہی

رہا تھا کہ خُداوند کے فرشتے نے اُس پر ظاہر ہو کر کہا کہ مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر۔ کیونکہ اُس نے بیوفائی نہیں کی ہے۔ بلکہ جو اُس کے بطن میں ہے وہ رُوح القُدس کی قدرت سے ہے۔ وہ تھوڑی مُدت کے بعد بیٹا جنیگی جس کا نام یسُوع رکھا جائیگا۔ یعنی نجات دہندہ۔ کیونکہ وہ اپنے لوگوں کو اُن کے گُناہوں سے نجات دیگا۔ ماسوا اِس کے یہ سب کچھ یسعیاہ نبی کی اُس قدیم پیشگوئی کے مطابق ہُوا کہ "ایک کنواری حاملہ ہوکر بیٹا جنیگی جس کا نام عمانوایل رکھینگے یعنی خُدا ہمارے ساتھ" فرشتے کے ظاہر ہونے کے بعد یُوسف اپنی زوجہ مریم کو اپنے ہاں لے آیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد مسیح ہیئت لحم میں مریم کے ہاں پیدا ہُوا +

یہ تومتی کا بیان ہے۔ اب لُوقا کے بیان کو دیکھو۔ لُوقا کہتا ہے۔ کہ جبرائیل فرشتہ ناصرت میں مریم نامی ایک کنواری کے پاس جو داؤد کے گھرانے میں سے تھی آیا۔ اُس کی منگنی ایک مرد بنام یُوسف سے ہُوئی تھی۔ فرشتے نے اندر آکر اُس سے کہا۔ کہ سلام تجھ کو جس پر فضل ہُوا ہے! خُداوند تیرے ساتھ ہے۔ وہ کنواری اس قسم کا سلام سُن کر سراسیمہ اور خوف زدہ ہو گئی۔ مگر فرشتے نے اُس کا سبب بیان کیا اور کہا کہ کچھ عرصے کے بعد تُو ایک بیٹا جنیگی جس کا نام یسُوع ہو گا۔ یہ لڑکا داؤد کے تخت پر بیٹھیگا اور ابد تک بادشاہی کریگا۔ تب مریم نے ایک نہایت قدرتی اور سادہ سوال پُوچھا کہ جب ہنوز مَیں بیاہی نہیں گئی تو میرے بیٹا کیونکر ہوگا؟ اس کے جواب میں فرشتے نے کہا کہ یہ بیٹا خاوند کی وساطت کے بغیر رُوح القُدس کے ذریعے سے پیدا ہوگا۔ "رُوح القُدس تجھ پر نازل ہوگا اور خُدا تعالیٰ کی قُدرت تجھ پر سایہ ڈالیگی اور اس سبب سے وہ مولُودِ مُقدس

خُدا کا بیٹا کہلائیگا"۔ اِس کے بعد وہ دلچسپ قِصّہ مندرج ہے جس میں مریم اور یُوسف کے بیت لحم جانے کا بیان ہے:۔ تاکہ وہاں اپنا نام لکھوائیں اور اُسی جگہ چرنی میں مریم کے ہاں دُنیا کا نجات دہندہ پیدا ہُوا"۔ کیونکہ اُن کے واسطے سرائے میں جگہ نہ تھی"۔

مختصراً مسیح کی پیدائش کے یہی بیانات ہیں۔ یہ اُن کتابوں میں پائے جاتے ہیں جن کے بارے میں سب مانتے ہیں۔ کہ وہ رسُولی زمانہ یا کم از کم اوّل صدی مسیحی میں قلمبند ہوئیں۔ الہام کے سوال کے متعلق تمام قیاسات کو نظرانداز کر کے اِن دونوں انجیل نویسوں یعنی متّی اور لوقا کی تحریر کی سادہ بیانی شاہد ہے کہ وہ متین عقلمند سرگرم اور بے ریا آدمی تھے۔ اُن میں سے لُوقا جس نے اپنی دوسری کتاب اعمال میں رُومی سلطنت کے جغرافیہ اور سیاسیات کے متعلّق بہت سے اشارات درج کئے ہیں دُنیا کے چوٹی کے معتبر مؤرّخوں میں سے ہے۔ وہ اپنی انجیل کے دیباچہ میں مسیح کی پیدائش کا بیان قلمبند کرنے سے پیشتر کہتا ہے۔ کہ جو حالات اُس نے مسیح کے بارے میں درج کئے ہیں وہ شروع ہی سے ٹھیک ٹھیک دریافت کر کے بڑی عرقریزی سے جمع کئے ہیں۔ جو لوگ کنواری سے پیدا ہونے کا انکار کرتے یا اُس کی بابت بے پرواہیں وہ اس مضمون پر باقی دو انجیل نویسوں یعنی مرقس اور یُوحنّا کی خاموشی پر بہت زور دیتے ہیں۔ اس خاموشی کی وجہ پیچھے بیان کی جائیگی۔ مگر کنواری سے پیدائش کے مخالف کیسے خوش ہوتے اگر بلحاظ اپنی مخالفت یا اِس قصّے کو کم قدر ثابت کرنے کے چند چیدہ حالات کے لکھنے والے مرقس یا فلسفہ دان یُوحنّا کی بجائے بڑا بھاری مؤرّخ لُوقا سکوت اختیار کر لیتا۔

جو حالات متی اور لوقا نے قلمبند کئے وہ اُن اناجیل میں پائے جاتے ہیں۔ جو ہمارے پاس موجود ہیں۔ کیا وہ بیانات فی الحقیقت اصلی ہیں؟ کیا وہ عہدِ جدید کے سب سے قدیم قلمی نسخوں میں پائے جاتے ہیں؟ ہماری بائبل اپنی موجودہ صورت میں آسمان سے نازل نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ وہ ترجمہ ہے جسے دیندار عالموں نے نئے عہدنامے کے سب سے قدیم نسخوں کے مطالعہ اور مقابلہ کے بعد مرتب کیا۔ اناجیل کے مصنفوں کے خود تحریر کردہ نسخے گم ہو گئے ہیں۔ اُن کی عدم موجودگی میں قدیم قلمی نسخے ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ اور ہماری بائبل کا متن انہی نسخوں کی سند پر مبنی ہے۔ مثلاً مرقس کی انجیل کے حاشیہ پر یہ الفاظ مندرج ہیں کہ اس انجیل کی آخری آیات بہت سے قدیم قلمی نسخوں میں موجود نہیں اور یوحنا کی انجیل میں اُس مقام پر جہاں ایک بدکار عورت کا حال مندرج ہے۔ حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ عبارت اکثر پُرانے قلمی نسخوں میں پائی نہیں جاتی۔ اگر یہ دریافت ہو جائے کہ کنواری سے پیدائش کے بیانات جو متی اور لوقا نے قلمبند کئے بہت سے قدیم قلمی نسخوں میں ندارد ہیں۔ تو اس مسئلے کے رد کرنے والوں کے دعویٰ کو کس قدر بھاری تقویت حاصل ہو جائیگی۔ مگر ان قلمی نسخوں کی طرف رجوع کرنے سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ یہ کہ ایک بھی سالم نسخہ ایسا نہیں جس میں مسیح کی پیدائش کے بیانات پائے نہ جاتے ہوں۔ یہی عہد جدید کے قدیم نسخوں یا یونانی سے مختلف ممالک کی زبانوں کے ترجموں پر بھی صادق آتا ہے۔ ہر ایک قلمی نسخہ اور ترجمہ اس امر کا شاہد ہے کہ جو حالات دونوں اناجیل میں مسیح کی پیدائش کے متعلق پائے جاتے ہیں وہ اصلی ہیں۔ یا جیسا ویس صاحب فرماتے ہیں کہ "متی اور لوقا کی اناجیل

کسی ایسی صُورت میں موجُود نہیں جن میں مسیح کے بچپن کے حالات پائے نہ جاتے ہوں"۔

جب کنواری سے پیدائش کے مخالفوں کے سامنے قلمی نسخوں کی زبردست شہادت پیش کی جاتی ہے۔ تو وہ اُن بیانات کی راستی پر یہ کہہ کر شُبہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ گو یہ حالات سب سے قدیم قلمی نسخوں میں پائے جاتے ہیں مگر وہ اصلی اناجیل کا حصّہ نہیں ہیں بلکہ پیچھے ایزاد یا دھوکے سے متن میں داخل کر دیئے گئے ہیں۔ اُن کے پاس اس کا ذرّہ بھر ثبوت نہیں اور مسیح کی پیدائش کے بیانات کی صحت کو توڑنے کی تمام کوششیں سراسر لاحاصل ثابت ہوئی ہیں۔ اُن کے دعویٰ کی تائید میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس بات کو ماننا چاہتے ہی نہیں۔ اُن کا طرز استدلال یہ ہے کہ مسیح کی پیدائش کنواری سے ہونی نہیں چاہیئے تھی۔ اُن کے مادی تصوّرات کی رُو سے ایسا واقع نہیں ہُوا۔ اس لیئے جن آیات میں یہ قصّہ مندرج ہے وہ دھوکے سے متن میں داخل کی گئی ہونگی۔ اُنہوں نے کوئی آیت یہاں سے خارج کردی کوئی فقرہ وہاں سے اُڑا دیا۔ مگر اس قسم کی چالاکیوں سے کوئی شخص دھوکا نہیں کھائیگا۔ جن آیات میں کنواری سے پیدائش کا حال مندرج ہے وہ اُسی طور پر اصلی بیانات کا جزو ہیں جیسے کسی نوتعمیر گرجے کی پُرانی بُنیادیں اصلی عمارت کا حصّہ ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں فرض کرو کہ کسی جعلساز نے اصلی نسخوں کو بدل ڈالا اور اُن میں کنواری سے پیدائش کے قصّے ایزاد کر دیئے تو اُس نے اپنی جعلسازی کو مکمل کرنے کے لئے نسب ناموں کی وُہ فہرستیں کیوں نہ اُڑا دیں جو کنواری سے پیدائش کا مسئلہ ماننے میں ہمیشہ سے سدِ راہ رہی ہیں۔

اگر کسی جعلساز نے کنواری سے پیدائش کا یقین دلانا ہوتا تو وہ ان فہرستوں کو ہرگز اُن کی موجودہ صورت میں قائم رہنے نہ دیتا۔

اس مسئلے کے مخالف مسیح کی پیدائش کے بیانات کی اصلیت اور صحت پر شبہ ڈالنے کی کوشش میں ناکامیاب ہو کر اعتراضوں کی بوچھاڑ شروع کر دیتے ہیں۔ سب سے پہلے وہ مذکورہ بالا نسب ناموں پر حملہ کرتے ہیں۔ وہ ان فہرستوں میں دو مشکلات پیش کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ متّی اور لوقا کے نسب ناموں میں بظاہر تخالف پایا جاتا ہے۔ یہ سوال ہماری موجودہ بحث سے خارج ہے۔ مگر دوسری مشکل غور طلب ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان فہرستوں میں مسیح کا نسب نامہ یا آبائی سلسلہ بجائے مریم کے یوسف کے ساتھ ملایا جاتا ہے۔ ان فہرستوں پر مفصّل غور کرنے کا یہ موقع نہیں۔ ہمیں فقط اس قدر دکھانا منظور ہے کہ متّی اور لوقا یعنی جن شخصوں نے ان فہرستوں کو اپنی اپنی انجیل میں درج کر دیا۔ وہی آدمی ہیں جنہوں نے مسیح کی اعجازی پیدائش کا بیان کیا۔ اور باوجود اس کے یہ کبھی اُن کے خیال میں نہ آیا کہ مسیح کے کنواری سے پیدا ہونے کے بیان اور اُن فہرستوں میں جن کی رُو سے اُس کا نسب نامہ یوسف کے سلسلے میں قائم کیا گیا ہے کسی قسم کا تضاد ہے۔ پھر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ وہ نہ فقط اس میں کوئی تضاد نہیں دیکھتے بلکہ وہ ان فہرستوں کو درج کرتے ہوئے کبھی اس بات کا ذکر نہیں کرتے کہ یوسف مسیح کا باپ تھا۔ متّی پیچیدہ عبارت استعمال کرتا ہے کہ "یعقوب سے یوسف پیدا ہوا۔ یہ اُس مریم کا شوہر تھا۔ جس سے یسوع پیدا ہوا جو مسیح کہلاتا ہے"۔ اور لوقا کہتا ہے۔ کہ جب یسوع نے تعلیم دینی شروع کی تو وہ قریباً برس تیس

کا تھا اور وہ (جیساکہ سمجھا جاتا تھا) یوسف کا بیٹا تھا۔ اور وہ ہیلی کا تھا"۔

پھر ان اناجیل کے اُن مقامات کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ جہاں یسوعؔ کو یوسف کا بیٹا کہا گیا ہے۔ مثلاً "بڑھئی کا بیٹا" "یسوع ناصری یوسف کا بیٹا"۔ "یوسف کا بیٹا"۔ اب بیت لحم اور ناصرت اور کفرناحوم اور دیگر مقامات کے رہنے والے یسوعؔ کی بابت اور کیا کہتے؟ عوام اس کے خلاف علم نہ رکھتے تھے۔ اور بظاہر یوسف ہی یسوع کا باپ تھا۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ وہ یسوع کے بارے میں اس طور پر کہتے تھے۔ اگر وہ اُس کو یوسف کا بیٹا خیال نہ کرتے تو یہ زیادہ حیرت انگیز ہوتا۔ یہ تو عام لوگوں کا خیال تھا۔ مگر جب لوقاؔ خود تین مقامات میں اُس کے "ماں باپ" کا ذکر کرتا ہے اور جب مریمؔ خود یسوعؔ سے کہتی ہے کہ "دیکھ تیرا باپ اور میں کڑھتے ہوئے تجھے ڈھونڈھتے تھے" تو اس کی نسبت کیا کہا جا سکتا ہے؟ لوقاؔ یوسف کو یسوعؔ کا باپ کہتے ہوئے کوئی تضاد محسوس نہیں کرتا۔ عوام کی نظر میں یسوع یوسف ہی کا بیٹا تھا۔ پس یہ انجیل نویس یوسف اور مریمؔ کے ساتھ مسیح کے رشتے کے عام خیال کا اظہار کرتا ہے اور ساتھ ہی اُس کی معجزانہ پیدائش کی صحیح خبر دیتا ہے۔ ایک مقام پر تو دونوں مصنف یسوعؔ کو یوسفؔ کا بیٹا کہتے ہیں جیساکہ وہ بظاہر تھا۔ اور پھر بیان کرتے ہیں کہ وہ کیونکر روح القدس کے وسیلے کنواری مریم سے پیدا ہوا۔ فقط وہی شخص جو اِس مسئلے کو ماننا نہیں چاہتا اِس قسم کے دو بیانات سے متعجب ہوگا۔ یا یہ سمجھیگا کہ یہ جعلسازی اور فریب دہی کا ثبوت ہیں۔

کنواری سے پیدا ہونے کے مسئلے کے خلاف ایک اور اعتراض پیش کیا جاتا ہے کہ عہد جدید کے دیگر مقامات اس کی نسبت ساکت ہیں۔ مرقس اور یوحنا اور پولوس اس کا کچھ ذکر نہیں کرتے۔ اعمال کی کتاب جس میں رسولوں کی دنیا کے آگے مسیح کی بابت اول منادی کا بیان ہے۔ کنواری سے پیدائش کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتی۔ اس لحاظ سے یہ یقین کیا جاتا ہے کہ متی اور لوقا کے بیانات کی سند چور چور ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ قیاس کرنا ناممکن ہے کہ اگر ان مصنفوں کو مسیح کے کنواری سے پیدا ہونے کا علم ہوتا تو وہ اس کی نسبت خاموش رہتے۔ مگر ہم دیکھینگے کہ اس دعوے میں کہاں تک راستی ہے +

سکوت کی دلیل درست طریق استدلال نہیں ہے۔ خصوصاً مسئلہ زیر بحث میں تو اس سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ مانا کہ مرقس مسیح کے کنواری سے پیدا ہونے کا مطلق ذکر نہیں کرتا۔ تو اس سے کیا نتیجہ نکلا؟ وہ تو مسیح کی پیدائش کے کسی اور طریق کا بھی ذکر نہیں کرتا۔ کیا اس سے سمجھا جائیگا کہ مسیح پیدا ہی نہیں ہوا تھا اور وہ دنیا میں آیا ہی نہیں تھا؟ ہرگز نہیں۔ مرقس کی انجیل مسیح کے بپتسمے اور عوام میں اس کی خدمت کے بیان سے شروع ہوتی ہے۔ اگر اس نے مسیح کی پیدائش اور بچپن کا حال درج نہیں کیا تو اس سے متی اور لوقا کے بیانات کو ہرگز ضعف نہیں پہنچتا۔ تواریخ میں اس قسم کی سکوت کی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ مسیح کی پیدائش اور اس کے لڑکپن کا حال مرقس کے مقصد اور حلقۂ تصنیف سے خارج تھا +

مگر یوحنا کی بابت کیا کہہ سکتے ہیں؟ چونکہ اس کی انجیل سب

سے آخر رسولی زمانے سے بہت عرصے کے بعد قلمبند ہوئی۔ کوئی یہ خیال نہیں کر سکتا کہ یوحنا کنواری سے پیدائش کے واقعہ سے ناواقف ہوگا۔ یا اُس کو اِس مفروضہ واقعہ کے متعلق روایات اور بیانات کا علم نہ ہوگا۔ وہ ضرور متی اور لوقا کی تصانیف سے آشنا ہوگا۔ اس کے متعلق جو کچھ جاننے کے قابل تھا وہ ضرور جانتا ہوگا۔ کیونکہ یسوع نے صلیب پر سے اپنی ماں کو پرورش اور فرزندانہ محبت کے لئے اُسی کے سپرد کیا۔ اگر یسوع کنواری سے پیدا ہُوا تھا تو ناممکن ہے کہ یوحنا کو اس کا علم نہ ہو۔ پھر اگر یہ محض کہانی ہوتی جس سے مسیح اور مریم کی عزت پر حرف آتا تو کیا یوحنا خاموش رہتا؟ مگر وہ خاموش رہا۔ اُس نے متی اور لوقا کے بیانات کی تردید میں ایک لفظ بھی نہ کہا۔ اس خاموشی کی یہی معقول وجہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ اُس نے کنواری سے پیدائش کی نہ تو تردید کی اور نہ انکار کیا اُس نے اُس کو صحیح تسلیم کر لیا۔ گو وہ اپنی انجیل کی عظیم الشان تمہید میں مسیح کے کنواری سے پیدا ہونے کا صاف صاف ذکر نہیں کرتا اور فقط اُس کے تجسم کے واقعہ کا بیان کرتا ہے کہ کلام مجسم ہُوا۔ اُس کا بیان کنواری سے پیدائش کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ یوحنا کے دِل میں اُس عظیم شخصیت یعنی اُس خدا انسان کے بارے میں جس کا بیان اُس نے اپنی انجیل میں کیا یہ سوال پیدا ہُوا ہوگا۔ کہ وہ دُنیا میں کس طریق سے آیا جیسا آج کے دن بھی لوگوں کے دِل میں پیدا ہوتا ہے۔ باقی سب بنی آدم کو نئے سرے سے پیدا ہونا ضرور ہے نہ جسم سے نہ انسان کے ارادے سے بلکہ خدا سے۔ لیکن اگر یسوع نئی پیدائش کی اِس عالمگیر ضرورت سے بچ گیا تو اُس کا سبب یہ تھا کہ وہ قدرتی پیدائش کے ذریعے ہماری گری ہوئی انسانیت کے گناہ میں ملوث نہ ہُوا۔

اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اگر یوحنّا کی انجیل کا مسیح معمولی طریق سے پیدا ہُوا ہوتو اُس کی شخصیت اور سیرت سمجھ میں نہیں آسکتی۔ کنواری سے پیدا ہونے کا معجزہ اس راز کی کلید ہے۔ چونکہ یُوحنّا نہ فقط متیؔ اور لوقاؔ کی تعلیم کو صحیح مانتا ہے ۔ بلکہ مسیح کے بارے میں ایسے بہت سے الفاظ استعمال کرتا ہے جن سے کنواری سے پیدائش کے بیان کی بڑی خوبی سے تائید ہوتی ہے اس سے یہ معقول نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ مسیح کے کنواری سے پیدا ہونے کے بیانات کا علم رکھتا تھا۔ اور اُس نے اُن کو صحیح جان کر مان لیا۔ یُوحنّا کی بابت ایک دلچسپ روایت بھی ہے کہ جب اُس نے اِفسس کے ایک حمام میں مُلحد سیرنتھس کو اندر آتے دیکھا تو وہاں سے نکل گیا۔ کیونکہ اُس مُلحد سے اُس کو سخت تنفّر تھا۔ ایک بات جس کی سیرنتھس تعلیم دیتا تھا یہ تھی کہ مسیح اپنے والدین یوسف اور مریم کے ذریعہ قدرتی طور پر پیدا ہُوا۔ اگر یوحنا سیرنتھس کی طرح یوسف کو مسیح کا باپ مانتا تو کوئی وجہ نہیں کہ اُس سے اس قدر نفرت کیوں رکھتا۔ لیکن اگر وہ اپنے سارے دِل سے مانتا تھا کہ کلام مجسّم ہُوا اور رُوح القدُس کے ذریعے کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہُوا تو اس منافرت کا سبب صاف طور پر سمجھ میں آسکتا ہے ۔

یوحنا نے جس طور سے مسیح کی آمد کا بیان کیا بعینہٖ اُسی طرح یُوحنّا اصطباغی کا بھی کیا۔ متیؔ اور لوقاؔ جیسے مسیح کی پیدائش کا حال مفصّل لکھتے ہیں ویسے ہی وہ اصطباغی کا بھی قلمبند کرتے ہیں۔ وہ اُس کے والدین زکریاہ اور الیشبع کا اور فرشتے کے اُن کو خبر دینے کا بیان کرتے ہیں ۔ مگر یُوحنا اُس کے بارے میں فقط یہ کہتا ہے کہ ”ایک آدمی یُوحنّا نام آموجود ہُوا۔ جو خُدا کی طرف سے بھیجا گیا تھا“۔ اب یوحنا کے اُس سکوت سے کون

استدلال کریگا - کہ اُس نے کبھی زکریاہ اور الیشبع کا ذکر نہیں سُنا تھا؟ اگر یوحنا انجیل نویس نے یوحنا اصطباغی کی آمد کا بیان لکھتے ہُوئے اُس کی ولادت کے متعلق حالات کی بابت کچھ نہیں کہا - تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اُس نے کبھی اُن حالات کا ذکر سُنا ہی نہیں تھا ویسا ہی معقول ہے جیسا یہ کہنا کہ چُونکہ یُوحنا نے مسیح کی آمد کا بیان کرتے ہُوئے اُس کے کنواری سے پیدا ہونے کا کچھ ذکر نہیں کیا اِس لئے اُس کو اس کا علم ہی نہ تھا۔

پھر کنواری سے پیدائش کے خلاف یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ مقدس پولُس اُس کی نسبت ساکت ہے - مانا کہ پولُس کی تحریر میں اس کی نسبت کوئی صاف بیان پایا نہیں جاتا - گو اِس مسئلے کے مُنکروں نے یہاں تک کہا ہے کہ یوحنا اور پولُس اس کی طرف دُور کا اشارہ بھی نہیں کرتے۔ ڈاکٹر جیمس آر صاحب اس مسئلے کے متعلق اپنی لاجواب کتاب میں اس مسلمہ امر کا ذکر کرتے ہیں کہ پولُس مسیح کے تجسّم کا بیان کرتے ہُوئے ہمیشہ بعض خاص پُر معنی الفاظ استعمال کرتا ہے - مثلاً "خُدا نے اپنے بیٹے کو بھیجا" (رومیوں ۸: ۳)، "انسانوں کے مشابہ ہو گیا" (فلپیوں ۲: ۷) "عورت سے پیدا ہُوا" (گلتیوں ۴: ۴) جو ایک غیر معمولی یونانی محاورہ ہے - ایسے فقرات کے ہوتے ہُوئے یہ کہنا کہ پولُس کنواری سے پیدائش کی طرف "دُور کا اشارہ" بھی نہیں کرتا - ایک حد سے زیادہ بسیط دعوٰے ہے - اور اُس مبالغہ آمیز تحکمانہ تحریر کی ایک خاص مثال ہے جس سے عقل پرست لوگ عہد جدید کے واقعات کے سچ ماننے والوں کے خلاف طعن کیا کرتے ہیں۔

پولُس سوائے مسیح کی موت اور اُس سے قبل عشائے ربانی کے اُس کی دُنیاوی زندگی کے حالات کا بمشکل کبھی ذکر کرتا ہے وہ مسیح کے جی اُٹھنے

کے بڑے مصدق معجزے کا بیان کرتا ہے۔ اُس کو مسیح کی قیامت اور رسمِ عشائے ربانی مقرر کرنے کے حالات کی پوری پوری واقفیت تھی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مسیح کی سوانح عمری کا کامل علم رکھتا تھا۔ فی الحقیقت اگر پولوس کو مسیح کی زندگی کا ابتدائی واقعہ کسی شاگرد نے یا خود لوقا نے جو سفروں میں اس کا ساتھی تھا اور اپنی انجیل کے لئے اُس وقت سامان جمع کر رہا ہوگا نہ بتایا ہو تو حیرت کا مقام ہوگا۔ علاوہ بریں قطع نظر اس کے کہ پولوس نے کہیں خاص طور پر اس کا ذکر نہ بھی کیا ہو تو بھی اُس نے موروثی خطا کے ذریعہ انسان کے عالمگیر گناہ اور بدی میں گرفتار ہونے کی تعلیم دی۔ باوجود اس کے مسیح بغیر گناہ کے تھا اور گنہگاروں کو نجات دینے آیا تھا۔ یوحنا کی طرح پولوس کی تعلیم کے مطابق ضرور تھا کہ مجسّم کا کوئی ایسا معجزہ ہو جس سے مسیح کی شخصیت موروثی گناہ کی بدی سے محفوظ رہے۔ اُس کا کنواری سے پیدا ہونا ہی اس قسم کا معجزہ تھا۔ یہ بات قیاس میں بھی نہیں آسکتی کہ پولوس اس سے ناواقف ہو۔ یہ سچ ہے۔ کہ وہ اس کی تردید بھی نہیں کرتا۔ برعکس اس کے گلتیوں ۴:۴ کے وہ الفاظ کہ "خدا نے اپنے بیٹے کو بھیجا جو عورت سے پیدا ہوا" کسی ایسے شخص نے استعمال کئے ہونگے جو کنواری سے پیدائش کے قصے کو جانتا اور مانتا ہوگا۔

بفرضِ محال اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ یوحنا اور پولوس کنواری سے پیدائش کی طرف دُور کا اشارہ بھی نہیں کرتے۔ تو یہ سکوت اِس بات کی دلیل نہیں کہ اس مسئلے کو ردّ کر دیا جائے۔ اسی طرز استدلال کے مطابق عہدِ جدید کے بہت سے بیانات ردّ ہو سکتے ہیں۔ مثلاً عشائے ربانی جاتی رہیگی۔ کیونکہ وہ شاگرد جسے یسوعؔ پیار کرتا تھا اور جو اُس آخری

شب کو جب عشائے ربانی کی رسم ادا کی جارہی تھی اُس کے سینے کی طرف جُھکا ہُوا تھا اپنی انجیل میں اس رسم کا ذکر تک نہیں کرتا۔ علیٰ ہٰذالقیاس مسیح کی تبدیلِ صورت کی کیفیت کو بھی نکال دینا پڑیگا۔ چاروں انجیل نویسوں میں وہی ایک رسُول یعنی یوحنا جو اس موقع پر اور دو رسُولوں کے ہمراہ مسیح کے ساتھ پہاڑ پر گیا۔ اس واقعہ کی نسبت خاموش ہے۔ اِسی طرح مسیح کے آسمان پر اُٹھائے جانے کا حال بھی چھوڑنا پڑیگا۔ اس لئے کہ متّی جو مفصّل حالات قلمبند کرنے والا ہے ہمارے خُداوند کے صعوُد کا مطلق ذکر نہیں کرتا۔ اگر سکوُت سے اس طور پر استدلال کیا جائے تو سارے قدیم مسیحی اعتقاد کا خاتمہ ہو جائے گا۔

کنواری سے پیدائش کے مسئلے کو جو درجہ مسیحی علم ادب اور زندگی میں حاصل ہے اگر اُس کو تواریخی واقعہ مان نہ لیا جائے۔ تو اور کسی قیاس پر اُس کے اعتقاد اور مسیحی علم ادب میں اُس کے متعلق تحریرات کی موجودگی تسلّی بخش طور سے سمجھ میں نہیں آسکتی، یہ روایت مسیحی جماعت میں نہایت ابتدائی زمانے سے موجود چلی آئی ہے۔ اگر یہ واقعہ نہیں تھا تو اس کا آغاز کیونکر ہُوا؟ بعض لوگوں کے گمان میں یہ مسئلہ یہودیوں سے لیا گیا ہے۔ یعنے یسُوع کے شاگردوں کا اُس کے بارے میں اعتقاد تھا کہ وہ مسیح ہے، اور خُدا کا بیٹا ہے۔ اس لئے وہ اُس کے معجزانہ طریق پر دُنیا میں داخل ہونے کو بڑی خُوشی سے قبول کرنے کو تیار تھے۔ متّی یا کسی اور شخص نے عہدِ عتیق کا مطالعہ کرتے وقت یسعیاہ کے صحیفے کے ساتویں باب میں اس نبوّت کو پڑھا کہ "دیکھ کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اُس کا

نام عمانوایل رکھیگی"، متّی نے جو ہر ایک حیرت انگیز بات مسیح سے منسوب کرنے کو تیار تھا کنواری سے پیدائش کے اس اشارے کو نبی کی کتاب سے لے کر یہ قصّہ گھڑ لیا کہ یسُوع اسی طور سے پیدا ہُوا تھا۔ اور اس افسانے کو اپنی انجیل میں درج کر دیا۔ لوقا نے بھی ایسا ہی کیا۔ یا یُوں کہو کہ اُس نبوّت نے کنواری سے پیدائش کے قصّے کا اشارہ دیا۔ مگر مسیحی اور یہودی علماء دونوں کا اتفاق ہے کہ یسعیاہ کی یہ آیت مسیح کے تولّد سے پیشتر کبھی اُس کے حق میں سمجھی نہ گئی۔ اور نہ کبھی اسرائیل میں مسیح کے کنواری سے پیدا ہونے کا انتظار کیا جاتا تھا۔ اُس نبوّت سے کنواری سے پیدا ہونے کے بیان کا خیال یا اشارہ لیا نہیں گیا ہوگا۔ بلکہ مسیح کا کنواری سے پیدا ہونا ایک واقعہ تھا جس نے نبوّت کو اپنی تنویر سے روشن کر دیا۔

ایک اور مرغوب فرضی قیاس یہ ہے کہ مسیحی شاگردوں نے یسُوع کی عظمت کی وجہ تلاش کرتے ہُوئے بُت پرست اقوام کے نمونے پر اُس کے اعجازی طور سے پیٹ میں پڑنے اور پیدا ہونے کے قصّے کا اطلاق اُس پر کر لیا۔ ایک مشہور واعظ نے اس فرضی قیاس کو بڑی خُوبی سے یُوں ادا کیا ہے۔ "کنواری سے پیدائش کو کسی عظیم الشّان شخصیت کی اعلیٰ منزلت کا راز سمجھ لینا قدیم دُنیا کا ایک عام طریق ہے۔ بہت لوگوں کے نزدیک تواریخ میں فقط ایک ہی دفعہ اس قسم کی اعجازی پیدائش کا ذکر پایا جاتا ہے۔ حالانکہ معجزانہ ولادت کے قصّے قدیم زمانے کی روایات میں نہایت عام ہیں۔ یہ خصوصاً بڑے بڑے مذاہب کے بانیوں پر راست آتا ہے۔ اُن مذاہب کی کتابوں کی رُو سے بودھ۔ زرتشت۔ لاؤ ٹزے اور مہاویر سب اعجازی طور پر متولّد ہُوئے تھے۔ تواریخ میں موسیٰ اور کنفوشس اور

محمدؐ ہی بڑے بانیانِ مذہب ہیں جن کے حق میں ایسی پیدائش کا ذکر کیا نہیں گیا۔ یعنی جب کوئی شخص عظمت کے اُس درجے پر پہنچ گیا۔ جب خلقت نے اُس کی تکریم شروع کر دی تو قدیم دُنیا نے اس عظمت کو اُس کی ولادت میں کسی خاص الٰہی تاثیر پر محمول کیا۔ اور اُنہوں نے اپنے ایمان کے اظہار کے لئے اُس کو معجزانہ پیدائش کہا۔ چنانچہ فیثاغورث اور افلاطون اور قیصر آگستس کی بابت کہا گیا کہ وہ کنواری سے پیدا ہوئے تھے۔ یہ علم رکھتے ہوئے بشارتی کلیسیا وٗں میں بہت سی جماعتیں ایسی ہیں جن کے خیالات ہمارے خُداوند کے دُنیا میں آنے کی نسبت یہ ہیں کہ پہلے شاگرد یسُوع کی تعظیم کرتے تھے جیسی ہم کرتے ہیں؛ جب وہ اُس کی آمد کا خیال کرتے۔ تھے تو انہیں یقین تھا۔ کہ وہ خاص طور پر خُدا کی طرف سے آیا ہے جیسا کہ ہمیں بھی ہے۔ وہ اس تکریم اور اعتقاد کو اُس کی پیدائش کے وقت خاص الٰہی تاثیر اور ارادے پر محمول کرتے تھے جیسے کہ ہم بھی کرتے ہیں مگر وہ اُس پیدائش کو علم الحیات کے معجزے کے طور پر ادا کرتے تھے۔ ہم دورِ جدید کے خیالات رکھنے والے وہی الفاظ استعمال نہیں کر سکتے۔ یہ جدید خیالات کے مسیحی نہ فقط یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ عہدِ جدید کی رُو سے یسُوع کی بابت کہا گیا ہے وہ اُس کا کوئی ضروری حصہ ترک ہی نہیں کر دیتے بلکہ وہ مسیح کے دو مقرب رسولوں یعنی پولُوس اور یوحنا کی سند لا کر کہتے ہیں" کہ اُنہوں نے کنواری سے پیدائش کے مسئلے کی طرف دُور کا اشارہ بھی نہیں کیا"۔

اب ذرا غور کریں کہ مندرجہ بالا خیالات کا ماحصل کیا ہے آگستس کی بابت روایت تھی کہ جب اُس کی والدہ اپولو کے مندر میں سوئی ہوئی تھی تو وہ دیوتا سانپ کی صورت میں اُس کے پاس اندر آیا اور اُس وصل کا پھل

آکلیپولیس تھا۔ جو بعد میں آگستس کہلایا۔ قدیم مذہبی قصے کہانیوں کے مجموعہ میں بہت سے حالات ملینگے کہ دیوتاؤں نے کیونکر فانی عورتوں کے ساتھ ناجائز تعلق پیدا کیا۔ مثلاً الکٹرئون کی بیٹی الیسمینی پر جوپیٹر دیوتا عاشق تھا اور اُس کی صحبت سے ہرکیولس پیدا ہوا مگر جونو دیوی اپنے خاوند کے فانی بچوں کو دیکھ کر حسد سے آگ بگولا ہو گئی۔ اور دو سانپوں کو بھیجا کہ ہرکیولس کو اُس کے پالنے میں مار کر اُس کا کام تمام کر دیں۔ مگر اُس ننھے سے بہادر لڑکے نے اپنے ہاتھوں سے اُن کا گلا گھونٹ کر اُن کو مار ڈالا۔ ان پُرانے قصوں میں شہوت پرست دیوتاؤں کا حال ہے جو دُنیا کی عورتوں سے مِل کر جسمانی طور پر بچے پیدا کرتے تھے۔

جے۔ اے میک کلک صاحب کنواری سے پیدائش پر اپنے ایک مضمون میں فرماتے ہیں کہ بودھ کی ولادت کے قصوں میں اُس کا فی الحقیقت جسمانی والدین سے تولد ہونا مضمر ہے علیٰ ہذالقیاس زرتشت کی جسمانی ولادت کا حال بھی مرقوم ہے اور اُن بیانات پر اعجازی حالات ایزاد کر دیئے گئے ہیں۔ مگر زرتشت اور بودھ کی ولادت کے قصے عہد جدید کے کنواری سے پیدائش کے بیانات کے ساتھ کسی طرح سے مطابقت نہیں کھاتے۔ اور جن قصوں میں بڑے بڑے آدمیوں کے سانپوں کے ذریعہ سے یا شہوت پرست دیوتاؤں کے فانی عورتوں سے اولاد پیدا ہونے کا بیان ہے اُن میں اور ہمارے خُداوند کے کنواری سے پیدا ہونے کے بیانات میں زمین آسمان کا فرق ہے ترتلیان اس خیال کو یوں ادا کرتا ہے کہ "خُدا کا اپنا بیٹا متولد ہوا تھا۔ مگر اس طور سے نہیں کہ اپنا بیٹا کہلانے یا اپنی ولادت کی اصلیت کی نسبت اُسے شرمسار ہونا پڑے۔ اُس کی پیدائش دیوتاؤں کی طرح کسی ناپاک فعل

کا نتیجہ نہ تھی۔"

جب کوئی شخص موجودہ پُشت کے اعلےٰ مسیحیوں کا ذکر کرتا ہے جن کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ مسیحی زندگی اور پاکیزگی کا بہترین نمونہ ہیں اور جن میں سے اکثر دیندار اور قابل تکریم ہیں اور جو مانتے ہیں کہ کنواری سے پیدائش کا مسئلہ بھی اُسی طرح معرض وجود میں آیا جیسے بُت پرستوں کے نامی اشخاص اور قدیم فرضی بہادروں کے قصّے ایجاد ہُوئے تو جو جواب آریجن نے سیلسس کو دیا وہ برمحل ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "چونکہ سیلسس نے ایک ایسے یہودی کو پیش کیا ہے جو یسُوع کے ساتھ مباحثہ کر رہا ہے اور دعوےٰ کرتا ہے کہ مَیں نے کنواری سے پیدا ہونے کے افسانے کی دھجیاں اُڑا دی ہیں اور مقابلے میں ڈنائی اور میلانیپ اور آجی اور انٹیوپ کی یونانی کہانیاں پیش کی ہیں۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ کوئی مسخرہ ہی استعمال کرسکتا ہے نہ کہ ایسا شخص جو سنجیدگی سے تحریر کر رہا ہو" مسیحیت کے خلاف جملہ تصانیف میں شاید اس سے بڑھ کر کوئی لغو الزام نہیں ہے کہ ابتدائی مسیحی جماعت نے جو غیر مسیحیوں کے خیالات اور رسوم کے خلاف ایسی حد درجے کی بدگمانی رکھتی تھی کہ اُن کی پیروی کرنے کے مقابلے میں جان قربان کر دینا افضل سمجھتی تھی کنواری سے پیدائش کا یہ قصّہ بت پرستوں سے لے کر اپنے نجات دہندے کی پیدائش کا طریق بنا لیا۔

اب سوال یہ ہے کہ کنواری سے پیدائش کے اس قصّے کا مخرج کیا ہے؟ وہ نہ تو یہودیوں سے لیا گیا ہوگا اور نہ غیر اقوام کی دیکھا دیکھی بنا لیا گیا ہوگا۔ تو پھر وہ آیا کہاں سے؟ اُس کی بُنیاد واقعہ پر ہے۔ جس بات کو تمام کلیسیا نے مان لیا اور اُس کی حمایت کی۔ اُس کی صحیح کیفیت یہی ہے کہ مسیح انجیلی

بیانات کے مطابق رُوح القدُس سے پیٹ میں پڑا اور کنواری مریم سے پیدا ہوُا۔

۲۔ اِس واقعہ کا ماحصل

آج کے دِن اکثر کہا جاتا ہے کہ کنواری سے پیدائش کے مسئلے کو خواہ مان لیا جائے یا ردّ کیا جائے مسیحی ایمان اور تعلیم میں کسی قسم کا فرق نہیں آتا۔ یقیناً مسیحیت کے مخالفوں کی کبھی یہ رائے نہ تھی۔ اُن کے حملوں کا وار ہر زمانے میں اِس مسیحی عقیدے کے خلاف رہا ہے۔ نہ ہی اس قسم کا خیال فی الحقیقت آج کے دن کلیسیا کے وہ شرکا رکھ سکتے ہیں جو ہلکے پن سے کنواری سے پیدائش کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ کیونکہ اُن کی ایک خاص دلیل اس مسئلے کے خلاف "سکوُت کی دلیل" پر مبنی ہے۔ یعنی اگر یہ مسئلہ صحیح ہوتا تو باقی دو اناجیل یا پوُلس کی تصانیف میں سے چھوڑ دیا نہ جاتا۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ معترضوں کے اپنے ہی قول کے مطابق یہ مسئلہ نہایت اہم ہے۔ ابتدائی کلیسیا نے یہودیت اور بُت پرست مذاہب کے خلاف جنگ کرتے ہُوئے مسیح کی کامل انسانیت اور اُس کی الوہیّت اور بے گناہی کے ثبوت میں ہمیشہ اُس کے کنواری سے پیدا ہونے کی دلیل پیش کی۔ یقیناً آج بھی اِس پُرزور دلیل کی ویسی ہی ضرورت ہے جیسی کہ قدیم بدعتیوں کے ایام میں تھی۔

اگرچہ کنواری سے پیدائش کا مسئلہ موجودہ زمانے کی مسیحی شہادتوں اور معذرت ناموں کے علم ادب سے خارج اور نظر انداز کیا جاتا ہے جیسے کہ معجزات اور نبوّت کا حال ہے۔ مگر وہ مسیح کے بارے میں مندرجہ ذیل

صداقتوں کا شاہد ہے +

ا۔ یہ اُس کی شخصیت کی تواریخی حقیقت کا شاہد ہے۔ کسی آدمی کی سوانح عمری اور شخصیت ان باتوں پر مشتمل ہے کہ وہ کہاں پیدا ہُوا تھا اور کس کا بیٹا تھا۔ وہ کہاں بُود و باش کرتا تھا۔ اور اُس نے کیا کیا کام کئے۔ وہ کہاں اور کب مرا اور دفن ہُوا۔ یہی مسیح کی زمینی زندگی پر بھی صادق آتا ہے۔ وہ چند مسلسل واقعات پر مشتمل ہے جن سے ہم اُس کی شخصیت کی نسبت دِل میں قیاس پیدا کر سکتے ہیں۔ جیسے عمارت اپنی بُنیادوں پر کھڑی ہوتی ہے ویسے ہی مسیح کی شخصیت بھی اُس کی زمینی زندگی کے واقعات پر مبنی ہے۔ کنواری سے پیدائش کا واقعہ اس زندگی کا بنیادی پتھر ہے۔ یہ اُن حقائق کے سلسلے کی ایک کڑی ہے جن سے مجموعی طور پر یسُوع مسیح کی جلیل القدر شخصیت کا اظہار ہوتا ہے۔ جو مسیح اُن واقعات میں نظر آتا ہے سوائے اُس کے اور کوئی مسیح نہیں ہے۔ اب چُونکہ یہ سچ ہے اس لئے اُس کے کنواری سے پیدا ہونے کا واقعہ جو اُس کی زندگی کا آغاز ہے ایک ضرُوری حقیقت ہے اگر یہ غلط ہو تو مابعد کے حالات بھی غلط ہونگے جس مسیح کا ہم کو علم ہے وہ عہدِ جدید کا مسیح ہے اور وہ کنواری سے پیدا ہُوا تھا جیسے کہ اُس کی زندگی کے دیگر واقعات کی بخُوبی تصدیق ہوتی ہے ویسے ہی اس واقعہ کی بھی ہوتی ہے۔ اس لئے اُس کا انکار کرنا گویا مسیح کا انکار کرنا ہے۔ کیونکہ اگر اُس کا انکار کیا جائے تو مسیح کی زندگی کے باقی واقعات کا بھی انکار کرنا پڑیگا +

ب۔ یہ مسئلہ مسیح کی الوہیت کا شاہد ہے۔ کبھی کبھی سُننے میں آتا ہے کہ مسیح کی الوہیت کنواری سے پیدائش کے سوال کے ساتھ وابستہ

نہیں ہے۔ اور اس مسئلے کو رد کر کے بھی اپنے خداوند کی الوہیت پر ایمان رکھ سکتے ہیں۔ قیاسی طور پر یہ درست ہو سکتا ہے۔ مگر فی الحقیقت اس مسئلے کو رد کرنے والوں میں سے اکثر لوگ مسیح کی الوہیت کے بھی منکر ہیں۔ ان دونوں میں علت اور معلول کا تعلق ہے۔ کیا دنیا نے کبھی ایسا آدمی دیکھا ہے۔ جو کنواری سے پیدائش کے مسئلے کو نہ مانتا ہو اور پھر تاریکی اور ناامیدی کی خندق میں نہ گر گیا ہو۔ یا جو اُس کے کنارے پر خطرے کی حالت میں نہ ہو؟ جدید علم الٰہیات خواہ کنواری سے پیدائش کے مسئلے کی منزلت کے بارے میں کچھ ہی سمجھے۔ مگر مسیح کی الوہیت کی نسبت بائبل میں سب سے صاف شہادت اسی پر مبنی ہے۔ کیونکہ فرشتے نے مریم سے کہا کہ "روح القدس تجھ پر نازل ہوگا اور خدا تعالیٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالیگی۔ اور اس سبب سے وہ پاکیزہ جو پیدا ہونے والا ہے خدا کا بیٹا کہلائیگا"۔

ڈاکٹر چارلس برگس صاحب مسیحی ایمان میں اس مسئلے کے پایہ کے متعلق یوں رقمطراز ہیں "فلسفہ کی جو مشکلات کنواری سے پیدائش کے مسئلے کے بارے میں ہیں وہ خاص اس مسئلے سے نہیں بلکہ عام طور پر تجسم سے تعلق رکھتی ہیں۔ سچ تو یوں ہے۔ کہ یہی مسئلہ اُن خاص مشکلات کو حل کرنے کا واحد طریق معلوم ہوتا ہے۔ اگر خدا کا ازلی بیٹا ولادت کے عام طریق سے مجسم ہوتا۔ تو اس نتیجے سے گریز کرنا ناممکن ہوتا کہ محض ایک انسان پیدا ہوا ہے۔ اس صورت میں تجسم حقیقی تجسم نہیں بلکہ خدا کے بیٹے کا یسوع میں سکونت پذیر ہونا ہوتا جس میں خدا کے ازلی بیٹے اور یوسف کے متولد بیٹے کی دو علیحدہ شخصیتیں تھیں۔ یہ انسان یسوع بنی آدم کا منجی نہیں بلکہ ایک نبی یا بہادر یا اعلےٰ نمونہ ہوتا وہ شاید ایمان کے بہادروں

میں آخری اور سب سے بڑا بہادر ہوتا۔ پر خدائے مجسم نہ ہوتا۔ یہی خدا انسان جس نے انسانی ذات کو اپنے ساتھ حقیقی طور پر ملا لیا اور بنی آدم کے ساتھ ایسے طریق سے ایک ہو گیا کہ عام انسان یعنی آدم ثانی اور نوع انسانی کا سر بن گیا۔ وہی بنی آدم کو نجات دے سکتا تھا۔ کنواری سے پیدائش کا مسئلہ ہی اس قسم کا خدا انسان مہیا کر دیتا ہے۔ معمولی ولادت کے ذریعہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ پس یہ مسئلہ تجسم کی حقیقت کے لئے ویسا ہی لازمی ہے جیسا کہ تجسمِ مسیح اور مسیحی نجات کے امسئلے کے لئے ضروری ہے"۔

بعد ازاں صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ "یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو مسیح کی ذات کے ساتھ محکم طور سے وابستہ ہے۔ اور یہی ذات کا سوال مسیحی عقیدے اور مسیحی فرقوں کی بنیاد ہے، وہ کبھی مان نہیں سکتے کہ مسیح کی پیدائش عام انسانی طریق سے ہوئی۔ ورنہ نسطوری[1] بدعت از سرِ نو تازہ ہو جائیگی اور صدیوں کی مسیحی حکمت ملیا میٹ ہو جائیگی۔ جس کے نتائج خطرناک ہونگے"۔

ج۔ یہ مسئلہ شاہد ہے مسیح کی بیگناہی اور پاکیزگی پر اور انسانیت کی ساری اُمیدوں پر جو اُس بے گناہی پر قائم ہیں خدا نے ایک بے گناہ آدمی کو خلق کیا جو اپنی فعل مختاری کے باعث گر سکتا تھا۔ وہ پہلا آدمی جو خدا کی صورت پر خلق کیا گیا تھا گر گیا اور اُس کے پیچھے سب آدمی گناہ کر کے گر گئے۔ اسی طرح دُنیا کی ہر قوم اور پشت اور جنس متواتر ہر قسم کے حالات میں گناہ کے پنجے میں گرفتار ہو کر بگڑ گئی۔ بعد ازاں ہمارے مسیحی ایمان کے مطابق خدا نے ایک نئی خلقت یعنی آدم ثانی کو بھیجا جو خدا کا ابدی بیٹا پیشتر سے

[1] نستوریس کا اعتقاد تھا کہ مسیح میں دو جدا جدا شخصیتیں تھیں۔ مترجم

ہست تھا۔ اُس نے جسم میں ظاہر ہو کر انسانی ذات اختیار کی۔ گری ہوئی گناہ آلودہ اور بگڑی ذات نہیں بلکہ وہ انسانی ذات جو خدا نے ابتدا میں اپنی صورت پر خلق کی تھی۔ وہ بھاری تجربہ پھر عمل میں لایا گیا۔ انسان اور ملائک اور شیاطین کمال شوق سے اُس کے نتیجے کا انتظار کر رہے تھے۔ کیا آدم ثانی بھی پہلے آدم کی طرح گر جائیگا؟ کیا آزمائش اُسے بھی خاک میں پست کر دیگی؟ اُس تجربے کا نتیجہ اناجیل میں مندرج ہے مسیح نے کامل طور پر خدا کی شریعت کو پُورا کیا اور اس کامل فرمانبرداری سے اپنے نجات دہندہ ہونے کا حق حاصل اور ثابت کیا اور ہمارے گناہوں کا ذریہ دیا ۔

مسیحی علم الٰہیات کی سب ندیاں مِل کر مسیح کی صلیب میں ایک بڑا زندگی بخش دریا بن جاتی ہیں۔ لیکن اگر مسیح یوسف اور مریم کا بیٹا تھا تو وہ گناہ کے داغ سے مبرا نہ تھا اور نہ وہ گنہگاروں سے جُدا تھا۔ اُس چرنی میں ایک ایسا بچہ پڑا رہ جاتا ہے جو شاید دُنیا کا کوئی بڑا نبی یا ہادی یا مجذوب یا مُصلح بن سکتا ہے مگر بچانے والا اور چھڑانے والا مسیح نہیں ہے۔ مسیح انسانیت کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ اَے مشرق کے مجوسیو! اپنے تحفے جو تم نے اُس بچے کے قدموں میں رکھ دیئے ہیں واپس لے جاؤ۔ کیونکہ وہ آسمان اور زمین کا بادشاہ نہیں ہے۔ اَے چرواہو! جو اُس غریبانہ غار میں اُس ننھے بچے کے پاس بڑے ادب سے کھڑے ہو اپنی بھیڑوں کی نگہبانی کرنے کے لئے میدان کو لوٹ جاؤ۔ کیونکہ فقط یہ دُنیا اور اُس کی فکریں ہی حقیقی شے ہیں۔ اَے فرشتو! جن کے خوش الحان ترانے آسمان کے دروازوں سے زمین کی طرف اُمڈے چلے آرہے ہیں اپنے شیریں گیتوں کا گانا بند کرو اور دُنیا کو نوحہ اور غم اور لعنت اور کُفر کا راگ الاپنے دو۔ اَے بیت لحم

کے ستارے! اَے آسمان کے لطیف مطلعِ نُور! اپنا چراغ گُل کر اور اس دُنیا کو شبِ دیجور کی تاریکی میں چھوڑ دے تاکہ وہ ابد تک اپنی شہوتوں اور توہّمات کے لاانتہا چکروں میں ٹکریں کھاتی پھرے کیونکہ یسُوع وہ پاکیزہ نہیں ہے جو خُدا کا بیٹا کہلائیگا اور ہمیں ہمارے گُناہوں سے بچائے گا۔ وہ جسم اور انسان کے ارادے سے پیدا ہُوا نہ کہ خُدا کے ارادے سے۔ ہمارا مسیح جاتا رہا۔ اور اُس کے ساتھ انسانیت کی اُمید کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ ایسا نہیں۔

دُوسرا سوال

کیا مسیح نے نبوّت کو پُورا کیا؟

"پھر مُوسٰے سے اور سب نبیوں سے شرُوع کر کے سب نوشتوں میں جتنی باتیں اُس کے حق میں لکھی ہُوئی ہیں - وہ اُن کو سمجھا دیں۔" (لوقا ۲۴: ۲۷) ٭

اِنسانوں کے طبائع مختلف ہیں۔ کسی پر ایک دلیل کا اثر اَور دلائل سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ مسیحی مذہب کے متعلّق یہ ایک عجیب بات ہے کہ اُس میں ہر قسم کے اثبات پائے جاتے ہیں جو ہر طبعیت کے مناسب حال ہیں۔ جب کوئی شخص مسیحی ایمان کے مختلف اثبات کا ایک ایک کر کے شمار کرنے لگتا ہے تو اُس وقت اس حقیقت کا قائل ہو جاتا ہے۔ مسیحیت میں انسانی سرشت کی جملہ ضرورِیات کے لئے سامان موجود ہے۔ گویا گہراؤ گہراؤ کو پکارتا ہے۔ اُس کا تیز رَوِی سے دُنیا میں اخلاقی ذرائع سے پھیل جانا۔ مسیح سے بیشتر اور اُس کے بعد جو کچھ انسان کے تصوّر میں راست اور اعلےٰ ہے اُس کے ساتھ مسیحیّت کی مطابقت۔ اُس کے معترفوں کی زندگی پر اُس کا اثر مسیحی تصوّرات اور اخلاق کی کاملیت۔ مسیح کی سیرت اور معجزات۔ اُس کے خدا کا بیٹا ہونے کے مصدق دو بڑے

معجزات یعنی کنواری سے پیدائش اور مُردوں میں سے جی اُٹھنا۔ اور سب سے آخر۔ یسُوع اور اُس کے رسُولوں کی تعلیم میں سب سے مقدم قدیم نبوتوں کی تکمیل۔ یہ سب مسیحی ایمان کے مختلف ثبوت ہیں۔ ان میں ہر قسم کی معقول پسند طبائع کے لئے کافی شہادت موجود ہے۔ خُدا نے بے ایمانی کا رشتہ نہایت خار دار بنایا ہے۔ اور اُس کے چاروں طرف مشکلات کی باڑ لگا دی ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص لامذہب بننا یا رہنا چاہے تو ضرور ہے کہ وہ اخلاقی ناممکنات کو مان لے +

اس وقت ہم مسیحی مذہب کے اثبات میں سے اس پر غور کرینگے کہ یسُوع مسیح میں قدیم نبوتیں کیونکر پُوری ہُوئیں۔ یہ دلیل ایمان دار اور بے دین دونوں کے لئے یکساں مفید ہے بائبل خود اس خاص بھاری شہادت کو پیش کرتی ہے۔ یہی دلیل مسیح نے اپنی بابت دی۔ یسُوع مسیح کے اختیار کے بارے میں رسُولوں کی یہی ایک بڑی دلیل تھی +

نبوت کی یہ دلیل کیا ہے اور یسُوع مسیح پر اُس کا اطلاق کیونکر ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر پیشین گوئیوں کا ایسا سلسلہ ہو جس میں آئندہ کے واقعات صفائی سے اور ٹھیک ٹھیک بتا دیئے گئے ہوں جو چالبازی یا قیاس کا نتیجہ نہ ہوں اور جن کے پُورے ہونے کی تدبیر کسی عیار نے چالاکی سے نہ کی ہو تو اُن کا پُورا ہونا اس امر کا صریح ثبوت ہوگا کہ وہ کسی فوق الفطرت طاقت کا فعل ہیں۔ یا دوسرے الفاظ میں نبوت کا پُورا ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ مسیحیت خُدا کا مکاشفہ ہے۔ "یسُتن شہید کا قول ہے کہ "کسی بات کی بابت اُس کے واقع ہونے سے بہت پیشتر کہہ دینا کہ وہ واقع ہوگی اور پھر اُس کو وقوع میں لے آنا سوائے خُدا کے کام کے اور کچھ ہو نہیں سکتا"

مسیح کے متعلق اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ کیا مسیح نے اپنی زندگی اور موت اور اپنی خدمت کے تاثرات کے ذریعے عہدِ عتیق کی پیشگوئیوں کو پورا کیا؟ کیا وہ خُدا کا بیٹا اور دُنیا کا نجات دہندہ ہے ۔

اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ گو مُدت تک پُر محبت استعمال سے لفظ خرستس یسُوع کے شخصی نام کا حصّہ ہو گیا ہے مگر وہ فی الحقیقت نام نہیں بلکہ لقب ہے ۔ اس یونانی لفظ کے معنی ہیں "مسیح کیا ہُوا" ۔ عبرانی میں اُس کو مسیح کہتے ہیں ۔ یہودی اِس نام سے اُس جلیل القدر بادشاہ اور نبی اور کاہن کو تعبیر کرتے تھے جس کی آمد کا انتظار وہ صدیوں تک کرتے رہے تھے ۔ اس لئے یسُوع وہ مسیح تھا جس کا ذکر عہد عتیق میں کیا گیا ہے ۔ کیا یسُوع فی الواقع مسیح تھا؟ یہی سوال سامریہ کی اُس عورت کے دِل میں تھا جس وقت یسُوع نے اُس سے گفتگو کی اور اپنی راستی کا سِکّہ اُس کے قلب پر بٹھا دیا ۔ تب اُس نے اپنے شہر کے لوگوں سے کہا کہ "آؤ ۔ ایک آدمی کو دیکھو جس نے میرے سب کام مجھے بتا دیئے ۔ کیا ممکن ہے کہ مسیح یہی ہے؟" یسُوع کے پہلے شاگردوں میں سے ایک یعنی اندریاس نے اپنے بھائی پطرس کو یسُوع کے پاس آنے کی دعوت دیتے وقت کہا کہ "ہم کو خرستس یعنی مسیح مل گیا" ۔ اسی رائے کی صحت پر کہ یسُوع ہی مسیح تھا مسیحی مذہب کا انحصار ہے ۔ نیا عہد نامہ پُرانے سے علیحدہ نہیں ہو سکتا اور نہ یسُوع کے تصوّرات اور تعلیم اُس کے دعادی سے جُدا ہو سکتے ہیں ۔ اُس کا سب سے بڑا دعوےٰ یہ تھا کہ مَیں اُس ستودہ کا بیٹا مسیح ہُوں ۔ اور اگر وہ مسیح نہیں تھا تو یا تو وہ ایک عام انسان تھا اور یا مسیح ہونے کے دعوےٰ کے سبب بُرا آدمی تھا ۔ پہلے شاگرد یسُوع کے پیچھے ہو لئے کیونکہ اُنہیں یقین

تھا۔ کہ وہ مسیح یعنے خرستس ہے۔ یہودیوں نے یسُوع کو اسی سبب سے قتل کیا کہ وہ مسیح ہونے کا دعوےٰ کرتا تھا۔ یسُوع کے شاگردوں نے دُنیا میں ہر کہیں اُس کی انجیل کی منادی کی اسی لئے کہ وہ اُس کو مسیح مانتے تھے۔ پس موجودہ بحث دو وجُوہات سے ضروری ہے یعنی مسیح نے نہ فقط نبوّت کو پُورا کیا جو مسیحی مذہب کی صداقت کی بھاری دلیل ہے بلکہ اگر مسیح نے نبوّت کو پُورا نہیں کیا تو مسیحی مذہب ردّ کرنے کے لائق ہے۔

یہ بھاری دلیل مسیحیّت کا خاص حِصّہ ہے۔ کوئی اور مذہب نبوّت کے پُورا ہونے پر اپنی صداقت کا فیصلہ نہیں چھوڑتا۔ مسیحی مذہب اِس کسوٹی پر پرکھے جانا منظور کرتا ہے۔ اگر مسیح سے کئی صدیاں پیشتر ایک آدمی کسی ایسے شخص کے آنے کی پیشگوئیاں کرتا جو مسیح کی مانند ہوتا اور یہ پیشگوئیاں پُوری ہو جاتیں تو یہ بذاتِ خود حد درجے کی وزنی بات ہوتی۔ مگر بجائے ایک آدمی کے کسی خاص وقت پر ایک پیشین گوئی کرنے کے جو پُوری ہو گئی ہمارے پاس بہت سی پیشگوئیاں ہیں جو بہت سے مختلف آدمیوں نے سینکڑوں سال کے عرصے میں کیں اور آخرکار وہ سب ایک ہی مرکز یعنی یسُوع مسیح میں آکر مِل گئیں۔ اس لئے یہ کوئی تعجّب کی بات نہیں کہ پاسکل جیسے باریک بین شخص نے نبوّت کی تکمیل کو مسیحیّت کا سب سے بھاری ثبوت قرار دیا جس میں باقی سب اثبات شامل ہیں۔

شاید کوئی سوال کریگا کہ تم عہدِ عتیق کی پیشین گوئیوں پر اس قدر زور کیوں دیتے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کو ایسا کرنا پڑتا ہے۔ اُن نبوّتوں کے علاوہ جو مسیح کے بارے میں ہیں عہدِ عتیق میں بہت سی ایسی پیشینگوئیاں ہیں جو عجیب طور پر پُوری ہوئیں۔ مثلاً انبیاء کی بہت سی نبوتیں اُن بڑی

ہمعصر اقوام کے متعلق تھیں جو اسرائیل کے چاروں طرف بُود و باش کرتی اور اُن سے جنگ کرتی تھیں۔ منجملہ اُن بڑی اقوام کے اسور کے لوگ تھے جن کا دارالسلطنت شہر نینوہ دریائے دجلہ کے کنارے پر آباد تھا۔ نحوم نبی نہایت فصیح الفاظ میں نینوہ کے گرد محاصرے کی پیشینگوئی کرتا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ گاڑیاں شاہ راہوں میں کیونکر بے طور دوڑینگی۔ اور بازاروں میں قرمزی وردیوں کی بھڑک ہوگی اور صنوبر کے بھالے ہلائے جائینگے۔ اس نبوت کے پڑھنے سے ہمیں پہیوں کی کھڑکھڑاہٹ اور چابکوں کے کڑاکے کا شور سُنائی دیتا ہے۔ مقتولوں کا ہولناک انبار اور مندروں اور محلوں کا غارت ہونا ہماری آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ جب مِیدیوں نے نینوہ کو مسخر کر کے اُس کو تباہ کر دیا تو اُس موقع پر دفعتاً دجلہ میں ایسا طوفان آگیا کہ شہر پناہ کا ایک حصّہ بہہ گیا۔ اس کے بارے میں بھی نحوم نے نبوت کی تھی چنانچہ اُس نے فرمایا کہ "نہروں کے دروازے کُھل جاتے اور قصر گداز ہو جاتا"۔ نینوہ ایسے کامل طور سے برباد ہُوا اور پردۂ قدامت میں چھُپ گیا کہ یونانی اور رُومی علم الادب میں اُس کا نام محض بطور بناوٹی قصہ کہانی کے یادگار رہ گیا۔ زینوفن بیان کرتا ہے کہ شاہ خورس مع اپنی دس ہزار یونانی سپاہ کے چند وسیع کھنڈرات کے مُتصل خیمہ زن ہُوا جن کے بارے میں اُن کا قیاس تھا کہ نینوہ کے آثار ہیں۔ آخر ۱۸۴۵ء میں علم الآثار قدیمہ کے ماہرین نے نینوہ کے مقام کو کھود کر نکالا۔ مَیں اس ایک نبوت کو بطور نظیر کے پیش کرتا ہُوں جو عجیب و غریب طور پر پُوری ہُوئی۔ اس سے ثابت ہو جائیگا کہ عہدِ عتیق کی پیشین گوئیاں فی الحقیقت مان لینے کے قابل ہیں ✣

اب ہم عہدِ عتیق کی ایک اَور قسم کی نبوّتوں پر غور کرینگے جو یسوع مسیح سے متعلق ہیں ۔ ہم ان نبوّتوں سے کسی طرح گریز نہیں کر سکتے ۔ کیونکہ وُہ نہ فقط عہدِ عتیق کے صفحات میں بلکہ عہدِ جدید میں بھی رُونما ہو جاتی ہیں ۔ اناجیل میں خصوصاً متّی کی انجیل میں بار بار ذکر آیا ہے کہ مسیح کی زندگی کے خاص خاص واقعات میں فلاں نبوّت پوری ہوئی ۔ عہدِ جدید میں بار بار یہ الفاظ پائے جاتے ہیں "تاکہ نوشتے پُورے ہوں"۔ نہ فقط ان مصنّفوں کا اعتقاد تھا کہ مسیح اُن نبوّتوں کو پُورا کرتا ہے بلکہ مسیح خود بھی یہی مانتا اور کہتا تھا اُس نے فرمایا کہ "کتابِ مقدّس میں ڈھونڈو (حاشیہ) .... یہ وہ ہے جو میری گواہی دیتی ہے"۔ پھر یہ کہ "موسٰی نے میرے حق میں لکھا"۔ "ابنِ آدم تو جیسا اُس کے حق میں لکھا ہے جاتا ہے" جب وہ اپنے جی اُٹھنے کے دِن دو شاگردوں کے ساتھ اماؤس کے رستے پر جا رہا تھا اور اُن پر اپنے آپ کو ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ مَیں وہی یسوع ہوں جسے تُم جسم میں دیکھتے رہے ہو ۔ تو اُس نے اُنہیں کوئی معجزہ نہ دکھایا نہ اپنے کسی مشہور قول کی طرف اشارہ کیا تاکہ وہ اُس کو شناخت کر سکیں ۔ بلکہ اُن کو عہدِ عتیق کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ "اَے نادانو ۔ اور نبیوں کی ساری باتوں کے ماننے میں سُست اعتقادو ! کیا مسیح کو یہ دُکھ اُٹھا کر اپنے جلال میں داخل ہونا ضروری نہ تھا ؟ پھر موسٰی سے اور سب نبیوں سے شروع کر کے سارے نوشتوں میں جتنی باتیں اُس کے حق میں لکھی ہُوئی تھیں اُن کو سمجھا دیں"۔ پھر جب یسوع کا مقدمہ یہودیوں کی مجلس کے سامنے پیش ہوا اور وہ لوگ جُھوٹی گواہی اور بہتان کے ذریعہ اُس پر جُرم قائم نہ کر سکے تو سردار کاہن نے یسوع کو حلف دے کر کہا کہ "میں

تجھے زندہ خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر تو خدا کا بیٹا مسیح ہے تو ہم سے کہہ دے"
اور یسوع نے جواب دیا کہ "ہاں میں ہوں"۔

یہی شہادت جو یسوع نے اپنے مسیح ہونے کی بابت خود دی رسولوں نے بھی دنیا کے آگے انجیل کی منادی کے آغاز میں پیش کی۔ انہوں نے مسیح کی دلکش سیرت کا کبھی بمشکل ذکر کیا جو زمانہ حال کے انجیلی واعظوں کا وردِ زباں ہے بلکہ وہ بیان کرتے تھے کہ مسیح کا تجسّم۔ اُس کی موت اور قیامت اُس کا صعود اور رُوح القدس عطا کرنا ایسے واقعات ہیں جن کو انبیاء نے کئی صدیاں پیشتر مسیح کے بارے میں بطور پیشینگوئی کے قلمبند کیا اور چونکہ یسوع نے اُن نبوتوں کو پورا کیا وہ ضرور مسیح تھا۔ انہوں نے نوشتوں کے ذریعہ علانیہ طور پر ثابت کیا کہ یسوع ہی مسیح ہے اور اس سبب سے آدمیوں کا فرض ہے کہ اُس کی تابعداری کرکے اُس پر ایمان لائیں۔ جیسا کہ پطرس نے اپنے مشہور وعظ میں کہا کہ "اس شخص کی سب نبی گواہی دیتے ہیں"۔

ہم نے دیکھا ہے کہ یسوع کا دعوےٰ تھا کہ اُس نے عہدِ عتیق کی نبوتوں کو پورا کیا اور اِس لئے وہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ اب ذرا اُن پیشینگوئیوں پر غور کریں جن کو یسوع نے پوری کرنے کا دعوےٰ کیا۔ بائبل کے شروع ہی میں ایک ایسی کتاب ہے جو آئندہ زمانے کے کسی بڑے ماجرے کے انتظار میں ہے۔ ان آنے والے وعدوں کے سلسلے کا آغاز خوشخبری کے اس اوّل اعلان سے ہوتا ہے کہ عورت کی نسل سانپ کے سر کو کچلیگی۔ ابرہام کی زندگی میں یہ پیشین گوئی کی گئی تھی کہ اُس کی سلب سے اُس کی نسل کے ذریعے زمین کی سب قومیں برکت پائینگی۔ شارعِ عظیم موسیٰ نے قوم کو یقین

دِلایا کہ آنے والے زمانے میں خُدا ایک بڑے جانشین کو برپا کریگا۔ بلکہ اسرائیل کے حلقے سے باہر کے نبیوں نے بھی الٰہی رُوح کی ہدایت سے ایک عجیب شخص کے آنے کی پیش گوئی کی۔ چنانچہ بلعاؔم نے موآبؔ کے پہاڑ پر یُوں نبوّت کی کہ "مَیں اُسے دیکھوں گا پر ابھی نہیں۔ مَیں اُس پر نظر کرُونگا پر نزدیک سے۔ یعقوبؔ سے ایک ستارہ نکلیگا اور اسرائیل سے ایک عصا اُٹھیگا"۔ داؤؔد کا ظفر مند عہدِ سلطنت اور سلیمانؔ کا پُرامن دورانِ حکومت ایک شاہِ عظیم اور آنے والی بادشاہت کا عکس تھا۔ یعنی ایک ایسا بادشاہ آنے والا تھا۔ جو قوموں کا وارث ہوگا اور زمین سراسر اُس کے قبضے میں ہوگی۔ اُس کا حُکم سمندر سے سمندر تک جاری ہوگا۔ اُس کا نام تا ابد باقی رہیگا۔ سب لوگ اور قومیں اُس کے سبب اپنے تئیں مُبارک جانیں گی۔ جو انبیائے کبیرہ اسرائیل کی تباہی اور قوم کی اسیری کے وقت کلام کرتے ہیں ایک دُکھ سہنے والے اور فدیہ دینے والے خادم یا مسیح کا بیان کرنے لگتے ہیں جو اپنی موت اور تصدیعہ کے ذریعہ قوم کو خوشوقتی اور شوکت کی طرف لے چلیگا۔ اُس وقت سلامتی ایسی پائدار ہوگی جیسے چاند فضا میں ہے اور ساری زمین خُداوند کے جلال کی شناسائی سے معمور ہوگی۔ یہ انبیاء کبھی تو ایک بادشاہ کبھی کاہن اور کبھی نبی کی بابت نبوّت کرتے ہیں ❖

اس قسم کی عام اور کسی قدر مشکل نبوّتوں کے علاوہ جو کسی آئندہ دُھندلے زمانے میں ایک بعید الفہم حکومت اور شخص بابرکت کے متعلق ہیں۔ بہت سی نبوّتیں زیادہ مشخص بھی ہیں، مثلاً یہ عجیب شخص یہوداہ کے فرقے میں سے اور داؤد کی نسل سے ہوگا۔ اُس کی جائے ولادت بیت لحم افراتہ ہوگی۔

"تجھ میں سے وہ شخص نکل کے مجھ پاس آئیگا جو اسرائیل میں حاکم ہوگا" نہ فقط جگہ بلکہ خاص وقت کا پتہ بھی بتایا گیا ہے۔ اور صفائی سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ ریاست کا عصا یہوداہ سے جدا ہونے سے پیشتر اور دوسری ہیکل کے کھڑے ہوتے ہوئے آئیگا۔ اُس کی آمد سے پیشتر ایک بڑا نبی مبعوث ہوگا جو توبہ اور راستی کی منادی کے ذریعے اُس کا راستہ تیار کریگا۔ وہ معجزے دکھائیگا۔ بیماروں کو شفا بخشیگا اور مُردوں کو جلائیگا۔ گو وہ بادشاہ ہوگا مگر وہ فروتنی سے گدھی کے بچے پر سوار ہو کر یروشلیم میں داخل ہوگا۔ لوگ اُس کو رد کرینگے۔ وہ تیس روپے پر بیچا جائیگا۔ اُس کے دُکھ مُصیبت کے دوران میں لوگ اُس کو ٹھٹھوں میں اُڑائیں گے اور بُرا بھلا کہینگے۔ اُسے پت ملا سرکہ پینے کو دیا جائیگا۔ اُس کے لباس پر قرعہ ڈالا جائیگا۔ وہ چھیدا جائیگا۔ وہ ایک مالدار آدمی کی قبر میں دفن ہوگا۔ مرنے کے بعد وہ عالمِ ارواح میں چھوڑا نہ جائیگا اور نہ اُس کا جسم سڑنے پائیگا۔ وہ اپنی انجیل کی اشاعت کے ذریعے ابدی صداقت قائم کریگا۔

کوئی عہدِ عتیق کا پڑھنے والا ہرگز شک نہ کریگا کہ یہ سب کچھ کسی خاص شخص اور کسی آنے والے وقت کی بابت بطور پیشینگوئی کہا گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ کس شخص کے بارے میں ہے؟ کیا وہ دُنیا میں آچکا ہے یا ہنوز آنے والا ہے؟ "آنے والا تو ہی ہے یا ہم دوسرے کی راہ دیکھیں؟" فرضاً عہدِ جدید کی جلد ایک ایسے آدمی کو دی جائے جس نے اُس کتاب یا مسیح کے بارے میں کبھی کچھ سُنا نہ ہو۔ تو اُسے کیا پتہ لگیگا؟ وہ یہ معلوم کریگا کہ جس جلیل القدر شخص کا ذکر اُس کتاب میں ہے وہ خود اور اُس کے پیرو بڑے زور سے دعوے کرتے ہیں کہ وہ

نہی یسُوع ہے جس کی طرف قدیم نبوتیں اشارہ کرتی ہیں۔ کیونکہ وہ اُس میں پُوری ہو گئی ہیں۔ کوئی عہدِ جدید کا پڑھنے والا اُس دعوے کو دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ اُس کا واقعات کے ساتھ مقابلہ کر کے معلوم کرتا ہے کہ یسُوع عورت کی نسل اور ابرہام کی اولاد اور یہوداہ کے فرقے اور داؤد کے گھرانے میں سے تھا۔ اور جب وہ پیدا ہُوا تو دوسری ہیکل کھڑی تھی۔ بیت لحم اُس کی جائے ولادت تھی۔ وہ صاحبِ معجزات تھا۔ آدمیوں نے اُس کی تحقیر کی۔ اور اُس کو رد کیا۔ اُس کی شخصیت میں عجیب لامحدُود طاقتیں تھیں مگر باوجود اس کے اُس کے حلم اور برداشت کی طاقت حد سے زیادہ تھی۔ وہ گدھی کے بچے پر سوار ہو کر یروشلیم میں داخل ہُوا۔ وہ حوالے کر دیا گیا۔ اُس نے کوڑے کھائے اُس پر ٹھٹھے مارے گئے اور اُس پر لعن طعن کی گئی۔ وہ چھیدا گیا۔ اور لوگوں نے اُس کے کپڑوں پر قرعے ڈالے۔ وہ ایک مالدار آدمی کی قبر میں دفن کیا گیا۔ تو بھی اُس نے سڑاہٹ نہ دیکھی کیونکہ وہ تیسرے دن مُردوں میں سے جی اُٹھا۔ ان سب حالات کا پڑھنے والا ہر دو عہدناموں کا مقابلہ کر کے معلوم کر لیتا ہے کہ وہ ایک دُوسرے سے کیسی مطابقت رکھتے ہیں۔ وہ اپنے خیالات کا یُوں اظہار کریگا کہ "یہ ایک نہایت عجیب معاملہ ہے کہ اِس قدر حالات اور واقعات جن کی بابت صدیوں پیشتر نبوّت کی گئی یسُوع کی زندگی اور موت میں پُورے ہو گئے ہیں۔ اگر فقط ایک یا دو پیشگوئیاں ہوتیں جو یسُوع میں پُوری ہُوئی ہوتیں تو مَیں کہتا کہ یہ ایک عجیب مطابقت ہے۔ مگر جب مجھے عہدِ عتیق میں ساٹھ سے زیادہ ایسی باتیں معلوم ہُوئی ہیں جو اِس عجیب وغریب اور غیر معروف شخص

کی بابت پیشتر سے کہی گئی ہیں اور وہ بعینہٖ یسُوع ناصری کی زندگی کے واقعات کے ساتھ مشابہت اور مطابقت رکھتی ہیں تو مَیں حیران ہُوں کہ اس کے بارے میں کیا خیال کرُوں"۔ کیا یہ ممکن ہے کہ یسُوع اور اُس کے رفقاء کے درمیان کسی قسم کی سازش تھی اور یسُوع نے اپنی انجیل کی وقعت بڑھانے کی غرض سے بظاہر نبوّت کو پُورا کرنے کے لئے اپنی زندگی اور موت کے ایسے واقعات اختراع کر لئے جو قدیم انبیاء کی پیشین گوئیوں کے ساتھ ٹھیک مطابقت رکھتے ہوں؟ یہ قیاس لغو ہے کیونکہ یسُوع کے بارے میں اکثر نبوّتیں اُس کی زندگی اور موت میں اُس کے دُشمنوں کے ذریعے سے پُوری ہُوئیں جو اُس سے اس لئے عداوت رکھتے تھے کہ وہ نبوّتوں کو پُورا کرنے اور مسیح ہونے کا دعوےٰ کرتا تھا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ بعض نبوّتیں واقعات کے بعد کی گئی ہوں؟ ہرگز نہیں۔ جن صحائف میں وہ پائی جاتی ہیں اُن کی نسبت عام اتفاق ہے کہ وہ مسیحی مذہب سے مدّتوں پیشتر تصنیف ہُوئے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ یسُوع کی زندگی کے سوانح اور انبیاءٔ کی پیشین گوئیوں میں بہت سی مشابہت پائی جاتی ہے اور وہ نبوّتیں فی الحقیقت کسی اور آدمی کے حق میں ہوں؟ اگر یہ ممکن ہے تو وہ دُوسرا آدمی کون ہے؟ کیا وہ سقراط یا افلاطون یا لائی کرگس یا سکندرِ اعظم یا قیصر آگستس یا طائی بیریاس یا یُستینین یا ہدریان یا چارلس اعظم یا محمدؐ یا لوتھر یا نپوکین ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ جو بیانات عہدِ عتیق میں مسیح کے بارے میں مندرج ہیں وہ کسی اَور آدمی کے حالات پر جو مسیح سے آگے یا پیچھے پیدا ہُوا ٹھیک نہیں بیٹھتے۔

پس ہمیں دو نتائج میں سے ایک کو اختیار کرنا پڑیگا۔ یا تو وہ

نبوّتیں اب تک پُوری نہیں ہُوئیں اور یا وہ مسیح میں پُوری ہو چُکی ہیں ۔
اوّل نتیجے کے متعلق غور طلب بات یہ ہے کہ جو نبوّتیں یسُوع مسیح کی زندگی میں پُوری ہُوئیں کیا اُن سے بڑھ کر اور زیادہ مکمل اور عجیب طور پر نبوّتوں کا پُورا ہونا قیاس میں آسکتا ہے ؟ کیا آئندہ زمانے میں کوئی ایسا انسان مبعُوث ہونا ممکن ہے جو نبوت کے پُورا ہونے کے متعلق ویسی ہی وزنی شہادت دے سکتا ہے جیسی مسیح نے اپنے حق میں دی ؟ نہیں ۔ ایسا قیاس کرنا بھی ناممکن ہے ۔ اگر اُن نبوّتوں کو علیٰحدہ علیٰحدہ لیا جائے تو اُن میں سے بہت سی بطور معمّے کے اور بظاہر متناقص معلوم ہونگی ۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ نبوّتوں کا مرجع ایک ایسا شخص ہو جو ادھر تو زبردست فاتح اور دُوسری طرف انسانوں میں حقیر اور راندہ ہو ؟ وہ آنِ واحد میں نبی اور کاہن اور بادشاہ کیونکر ہو سکتا ہے ؟ باوجود اس کے جب مسیح آیا تو لوگوں نے دیکھ لیا کہ ساری قدیم نبوّتیں کیسے عجیب طور پر اُس مرکز میں جمع ہو کر حل جاتی ہیں ۔ اگر نبوّتیں مسیح میں پُوری نہیں ہُوئیں تو وہ کبھی پوری نہیں ہو سکتیں ۔ کیونکہ جو ثبوت مسیح نے اُن کے پُورا ہونے کا دِیا اُس سے بڑھ کر ثبوت ہو نہیں سکتا ۔

پس یہی نتیجہ باقی رہ جاتا ہے کہ مسیح نے نبوّتوں کو پُورا کیا اور سب انبیاء اُسی پر گواہی دیتے ہیں ۔ جب مسیح نے موسٰے سے اور سب نبیوں سے شروع کر کے بیان کیا کہ موسٰی اور انبیا اُس کے حق میں لکھتے ہیں تو وہ نہ دغاباز اور نہ فریب دینے والا تھا بلکہ وہ خود مسیح خُدا کا بیٹا تھا ۔

آج ہمارے لئے اس میں کیا سبق ہے ؟ ہم میں سے جو مسیحی

ہیں اور خداوند یسوع مسیح پر ایمان لا چکے ہیں۔ اُن کے لئے اس کے یہ معنی ہیں کہ ہمارا ایمان محکم بنیاد پر قائم ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ جب ہم گرجے میں عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں یا جب رات کی تنہائی میں اپنے اور اپنے عزیزوں کے لئے دُعا مانگتے ہیں یا جب غم کی گھڑی میں مسیح کی تسلی اور مدد کے خواستگار ہوتے ہیں یا جب ہمارا دل گناہ اور بدی کے احساس سے بھاری ہوتا ہے تو وہی یسوع جس سے ہم دُعا مانگتے ہیں مسیح اور خُدا کا ازلی بیٹا ہے۔ اُس کی الٰہی ذات اور اُس کے نجات دینے اور چنگا کرنے اور انسان کے دل پر اور دُنیا پر حکومت کرنے کا حق سب سے زبردست شہادت کے ذریعے ثابت اور برحق قرار دیا جا چکا ہے۔ جب ہم پطرس کے ہم زبان ہو کر کہتے ہیں کہ "تُو مسیح خُدا کا بیٹا ہے"۔ تو ہم اُس کے ساتھ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم کس کے پاس جائیں؟ ہمیشہ کی زندگی کی باتیں تو تیرے ہی پاس ہیں"۔ چونکہ وہ خُدا کا بیٹا مسیح ہے اس لئے ہمیشہ کی زندگی کی باتیں اُسی کے پاس ہیں +

اُن کے لئے جو مسیح پر ایمان نہیں لائے نبوت کی شہادت نہایت سنجیدہ معنی رکھتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بے ایمانی کیونکر اور کیوں گناہ ہے اور اگر کوئی اُس پر جما رہے تو وہ گناہ کیونکر ناقابل معافی ہو جاتا ہے۔ مسیح نے فرمایا کہ "جو ایمان نہیں لاتا اُس پر سزا کا حکم ہو چکا"۔ مسیح نے فاحشہ عورت اور لوٹ کھسوٹ کرنے والوں اور پطرس کو جس نے سخت قسمیں کھا کر اُس کا انکار کیا اور صلیب پر کے اُس چور کو جس کا نامۂ اعمال جرائم سے سیاہ تھا معاف کر دیا۔ مگر وہ اُس شخص کو ہرگز

معاف نہ کریگا جو ایمان نہ لانے پر مُصر ہے۔ اُس نے نہایت وزنی دلائل ہمارے سامنے پیش کر دی ہیں کہ ہمیں کیوں ایمان لانا چاہیئے اور بے ایمانی کے راستے میں ہر قسم کی رُکاوٹیں ڈال دی ہیں۔ کیا تُم مسیح پر ایمان لانا چاہتے ہو؟ مَیں یہ سوال اس لئے پُوچھتا ہُوں کہ ایمان لانا فعل ارادی ہے۔ کیا تُم ایمان لاؤ گے؟ تُم میں سے بعض بہت عرصہ سے توقّف کر رہے ہیں۔ مگر مسیح اپنے ہاتھوں اور پاؤں میں کیلوں کے نشان لئے ہُوئے ہاں خُدا کا ازلی بیٹا جو تمہارے گُناہوں کے سبب گھائل ہُوا اور تمہاری بدکاریوں کے باعث کُچلا گیا تُم پر رحم کرنے کے لئے اب تک منتظر کھڑا ہے۔ کیا تُم اُس پر ایمان نہیں لاؤ گے؟ مسیح پر ایمان لانے کے معنی ہیں اُس پر ایمان لانا جو سب سے اعلیٰ اور پاک ہے یہ خُدا پر اور محبّت پر اور عدل پر اور حیاتِ ابدی پر اعتقاد رکھنا ہے ✦

تیسرا سوال

کیا مسیح کی تعلیم اصلی تھی؟

انسان نے کبھی ایسا کلام نہیں کیا۔ (یوحنا ۷: ۴۶)۔

یہ اُن پیادوں کا فیصلہ تھا جنہیں یروشلیم کے فقیہوں اور فریسیوں نے تاکیداً مسیح کو پکڑنے کے لئے بھیجا تھا۔ وہ اپنے اسیر کے بغیر لوٹ گئے۔ اور جب اُن سے اِس کوتاہی کا سبب دریافت کیا گیا تو اُنہوں نے جواب دیا کہ "انسان نے کبھی ایسا کلام نہیں کیا"۔ وہ ایسے آدمی پر ہاتھ ڈال نہیں سکتے تھے۔

گذشتہ چند سال سے علم مقابلۂ مذاہب کے مطالعہ پر بڑا زور دیا جاتا ہے۔ اُن لوگوں کے لئے جن کی کوئی خاص غرض نہیں یا جنہیں راستی کے خلاف سخت بدگمانی نہیں اِس قسم کا مطالعہ مسیحی مکاشفہ کی صداقت کے لئے سوائے مفید اور مؤید ہونے کے اور کچھ ہو نہیں سکتا۔ مگر اوروں کو اِس سے راستی پر حملہ کرنے کے لئے ہتھیار مل گئے ہیں۔ اگر بعض لوگوں کو قدیم بُت پرست رسُوم یا مذہب یا فلسفہ میں کوئی ایسا مقولہ یا خیال نظر آجاتا ہے جو مسیح کے کسی قول سے مشابہ ہے یا اُنہوں نے قدیم انبیاء یا تلقین کرنے والوں کی سوانح عمری میں کوئی ایسا عمل یا واقعہ پڑھا جو مسیح کی زندگی کے کسی واقعہ کے ساتھ ملتا جُلتا ہے۔ تو اس میں

کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔ تعجب کی بات اُس نتیجے میں ہے جو وہ ہم سے نکلوانا چاہتے ہیں۔ یعنی وہ گویا کنائتاً کہتے ہیں کہ مسیحیت کوئی نیا یا متفرق یا علیحدہ مذہب نہیں بلکہ ایک قسم کا مذاہب کا مجموعہ ہے اور اُس کے احکام اور دستور العمل بہت سے دیگر عقائد کی جڑت کاری اور پیوندکاری ہیں۔ اگر یہ سچ ہو تو مسیحیت کے کامل اور مستند مذہب ہونے کی جڑ کٹ جائیگی۔ ہم پھر کبھی یہ نہیں کہہ سکینگے کہ "آسمان کے تلے آدمیوں کو کوئی دُوسرا نام نہیں بخشا گیا جس کے وسیلے سے ہم نجات پا سکیں"۔

حق کے ناطق ہونے کے لئے ضرور نہیں کہ وہ نیا ہو۔ اگر یسوع کے سب اقوال کسی قدیم مذہب میں پائے جاتے ہوں اور وہ راست ہوں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اُن پر عمل کرنا لازمی نہیں۔ مگر اب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرونگا۔ کہ مسیح نہ فقط راستی کی تعلیم دینے والا ہے بلکہ اُس کی تعلیم سراسر اصلی ہے۔ اور اُن عبرانی پیادوں کا یہ فیصلہ کہ "انسان نے کبھی ایسا کلام نہیں کیا" راست ہے۔ اس کے ثبوت میں میں دکھاؤنگا کہ کبھی کوئی کلام کرنے والا مسیح کی مانند نہیں ہُوا محض اس وجہ سے کہ کوئی آدمی اُس جیسا ہُوا ہی نہیں۔

اس خاص دعوے پر بحث کرنے سے پیشتر میں کہنا چاہتا ہُوں کہ مسیح کی اخلاقی تعلیم مثلاً اُس کا پہاڑی وعظ بھی بذاتِ خود ایک نئی اور اصلی تعلیم ہے۔ انسان ہر مُلک اور ہر زمانے میں اخلاقی ہستی ہے۔ اور خواہ وہ گُناہ کے باعث خستہ حال یا مکاشفہ کے نُور سے بے بہرہ کیوں نہ ہو پھر بھی رُوحانی سرشت رکھتا ہے۔ گناہ نے انسانی فطرت کو تباہ تو کر دیا مگر نابود نہیں کیا۔ اس لئے جو راستی کی تعلیم ایک زمانے میں دی گئی ہو۔ وُہ

ہر زمانے کے آدمیوں کے لئے راستی ہی ہوگی۔ انسان اخلاقی ذات کے ساتھ خلق کیا گیا اور گناہ نے اُس کو اخلاقی ذات سے محرُوم نہیں کر دیا۔ پولُس نے لکاؤنیہ کے لوگوں سے کہا کہ خُدا نے اپنے آپ کو بے گواہ نہیں چھوڑا۔ بعض بُت پرست مذاہب کے مطالعہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کیونکہ گو اُن میں بہت سی باتیں نفسانی اور نفرت انگیز اور باطل ہیں لیکن کبھی کبھی کوئی اعلیٰ اخلاقی خیال بھی مِل جاتا ہے جو تمام بنی آدم میں موجود ہے۔ اور جس کو مسیحی مذہب بہتر نہیں بنا سکتا۔ محض اسی وجہ سے کہ وہ راستی ہے جو ناتبدیل پذیر ہے۔ مثال کے طور پر جزیرہ ملیتے کا قصّہ دیکھ لو جہاں پولُس کا جہاز ٹوٹا تھا۔ وہاں کے بُت پرست باشندوں نے جب سانپ کو پولُس کے ہاتھ پر لپٹا ہُوا دیکھا تو نتیجہ نکالا کہ وہ آدمی خُونی ہے۔ جو اگرچہ سمندر سے بچ گیا تو بھی عدل اُسے جینے نہیں دیتا، اُنہوں نے پولُس کے بارے میں غلط رائے قائم کی مگر اُس بھاری اعتقاد کی نسبت غلطی نہ کی کہ گُناہ کی سزا ضرُور ملتی ہے پولُس نے اپنے وعظ میں اس بُنیادی اصول کا انکار نہ کیا اور نہ اُس کو تبدیل کیا۔ کیونکہ جب اُس نے یہ تعلیم دی کہ ہم سب خُدا کے تختِ عدالت کے آگے کھڑے ہونگے اور آدمی جو کچھ بوتا ہے وُہی کاٹے گا۔ تو اُس کی تہ میں وُہی بھاری اصول تھا جو ملیتے کے اُن جنگلیوں کے دل میں تھا۔ باوجود اس کے پولُس نے مسیح کے متعلق جو تعلیم دی وہ اُن جنگلیوں کے علم سے بدرجہا بڑھ کر تھی اور وہ نئی اور اصلی تعلیم تھی کیونکہ پولُس نے اُس مسیح کی منادی کی جو گنہگار کو معاف کرتا ہے۔

اس لئے اگر افلاطون یا سینیکا یا سقراط یا بودھ یا کسی قدیم عبرانی

نبی کے الفاظ میں ہمیں کسی ایسی صداقت کی جھلک نظر آتی ہے جو مسیح کے کلمات میں پائی جاتی ہے۔ یا جن میں اُس کی کامل شریعت کا دُھندلا سا خاکہ دکھائی دیتا ہے تو ہمیں ہراساں یا متعجّب ہونا نہیں چاہیئے۔ ہم جانتے ہیں کہ وُہ آیا تاکہ زندگی اور بقا کو روشن کردے۔ اور جو کچھ اُس نے عبرانی مذہب کے بارے میں کہا وہ غیر عبرانی اور بُت پرستوں کے مذاہب میں راستی کے ہر جزو پر صادق آتا ہے۔

ہم یہ سب کچھ خوشی سے ماننے کو تیار ہیں۔ باوجود اسکے علم الاخلاق کے حلقے میں یسُوع ایک نیا معلّم تھا۔ راستی کے سرد اور مُردہ ہو جائے کا امکان ہے۔ مسیح نے اپنے کلمے سے اِس مُردے میں جان ڈال دی۔ اُن یہودی پیادوں نے کاہنوں اور فریسیوں کو اپنے بڑے ربّی ہلیل یا قدیم اسرائیلی انبیاء کے ایسے اقوال کا اقتباس کرتے سُنا ہوگا جو یسُوع کے الفاظ کے ہم پلّہ تھے۔ مگر اُن کا فیصلہ یہ تھا کہ "انسان نے کبھی ایسا کلام نہیں کیا"۔

مثال کے طور پر مسیح کے قانونِ معافی پر غور کرو۔ اُس نے فرمایا کہ "اپنے دُشمنوں سے محبّت رکھّو"۔ یہ تعلیم دُنیا کے لئے سراسر نئی تھی۔ جو کچھ یسُوع نے اپنے شاگردوں سے کہا۔ وہ راست تھا کہ "میں تمہیں ایک نیا حُکم دیتا ہُوں کہ ایک دُوسرے سے محبّت رکھّو"۔ اگر کسی چھپے حکیم نے اپنے چند پیرووٗں سے کلام کرتے ہُوئے کوئی ایسا کلمہ مُنہ سے نِکالا جو مسیح کے ان الفاظ کے مشابہ تھا یا کسی قدیم مذہب نے اُس کی طرف اشارہ کیا۔ تو یہ کوئی مضائقہ کی بات نہیں۔ مسیح نے اُس کلام کو بطور زندگی کے عملی اصُول کے نیا اور تازہ بنادیا۔ جیسے کہ سرجان سیلی

نے اپنی ایک مشہور کتاب میں فرمایا کہ "اخلاقی دُنیا میں یہ تعلیم مسیح کی نہایت عجیب نوایجاد ہے۔ اس کا بنی نوع انسان پر ایسا گہرا اثر ہُوا ہے کہ یہ عموماً تکمیل مسیحی اخلاقی آئین یا کم از کم اُس کا بنیادی حصّہ قرار دی جاتی ہے۔ جب مسیحی روح کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُس سے عام طور پر معافی کی رُوح مراد ہوتی ہے۔ اگر اس کو قدیم عبرانی زبان کے محاورے میں ادا کیا جائے تو کہیں گے کہ مسیح کی رُوح پانیوں پر جنبش کرتی تھی اور اُس نے کہا کہ معافی ہو اور معافی ہو گئی"۔

اس طرح سب سے پہلے مسیح نے معافی اور سب آدمیوں سے محبت رکھنے کے قانون اعظم کی طرف دُنیا کو توجہ دلائی۔ اِس لئے جب مَیں کسی کو مسیحی مذہب پر طعن اور طنز کرتے دیکھتا ہوں اس لئے کہ مسیح کے اقوال گوتم بدھ سینیکا اور لاؤڈز کے منقولات میں پائے جاتے ہیں تو مجھے اُس آثارِ قدیم کے محقّق کا قصہ یاد آتا ہے جس نے اپنے ایک بُت تراش دوست کو یہ دکھا کر کہ مصریوں اور اسوریوں اور حبشیوں نے فنِ بت تراشی میں یونانیوں سے پیشقدمی کی ہے تفخرانہ لہجے میں کہا کہ یونانیوں نے کوئی نئی بات ایجاد نہ کی۔ اس پر اُس کے دوست نے جواب دیا کہ ہاں اُنہوں نے سوائے خوبصورتی کے اور کچھ ایجاد نہ کیا۔ یعنی اَوروں میں ہُنر تھا مگر یونانیوں میں ہُنر کے ساتھ خوبصورتی کے احساس کا مادہ بھی تھا۔ مسیح نے دنیا کو اخلاقی فرائض کی طرف خاص طور پر مائل کیا۔ اور اگر تُم مقابلہ مذاہب کا مطالعہ کرنا چاہتے ہو تو اس مضمون کی کتابیں نہ پڑھو بلکہ ایسے ممالک میں چلے جاؤ جہاں انجیل کی روشنی جلوہ گر نہیں ہُوئی ۔

اب ہم اپنے اُس اصلی سوال پر غور کرینگے کہ چونکہ کوئی آدمی مسیح کی مانند نہیں ہُوا اس لئے ویسا اُستاد بھی کوئی نہیں ۔

(۱) چونکہ مسیح بے گناہ تھا۔ اس لئے وہ اصلی تعلیم دینے والا تھا۔ دُنیا

نے راستی کی بابت پیشتر سُنا تو تھا۔ مگر انہوں نے کبھی بے گناہ آدمی دیکھا نہ تھا۔ اب مجسّم پاکیزگی اور محبّت نظر آگئی۔ وہ سب بڑے بڑے الفاظ جسم اختیار کر کے آدمیوں کے درمیان سکونت پذیر ہو گئے۔ بمقابلہ دیگر مذاہب کے ہم مسیحی مذہب کی صداقت اُس کے بانی کی سیرت کے ساتھ متعلق کرتے ہیں۔ اگر مسیح کی سیرت پر نہایت خفیف سا دھبّہ بھی ہو تو مسیحی مذہب سراسر منہدم ہو جائیگا۔ کیونکہ وہ مسیح کی شخصیّت کے ساتھ وابستہ ہے۔ مقدّس پولوس نے فرمایا کہ "جو کوئی خداوند کو عزیز نہیں رکھتا ملعون ہو"۔ گوتم یا کنفیوشس یا افلاطون کو عزیز نہ رکھنے کے باعث ملعون ٹھیرنا بے معنی ہوگا۔ لیکن اگر مسیح بے گناہ یعنی کامل ہے تو اُس مظہرِ صداقت سے محبّت نہ رکھنا ملزم ٹھہرنا ہے مسیح نے خود بھی اپنے زمانے کے لوگوں سے یہی فرمایا۔ اُس نے لوگوں کو بُلا کر کہا کہ "میری پیروی کرو"۔ اور مسیح کے نمونے پر چلنا مسیح کے شاگرد کے لئے خاص دھیان اور جد وجہد کا عمل ہے۔ مسیح نے اپنی بے گناہ سیرت کے اس معیار کو اپنی تعلیم کا گواہ قرار دیا۔ چنانچہ اُس نے فرمایا کہ "تم میں سے کون مجھ پر گُناہ ثابت کرتا ہے؟" اگر تم ثابت کر سکتے ہو تو میری باتوں پر ایمان نہ لاؤ۔

دو غیر قوم کے صوبے داروں نے مسیح کے اخلاقی معجزے کا اقرار کیا۔ ایک نے کہا کہ "میں اس لائق نہیں کہ تو میری چھت کے نیچے آئے"۔ دوسرے نے کہا "بے شک یہ خدا کا بیٹا تھا"۔ اُس کے سب سے گہرے دوستوں کا بھی یہی پختہ یقین تھا۔ پطرس نے اُس کے پاؤں میں گر کر کہا کہ "میرے پاس سے جا۔ اس لئے کہ میں گنہگار آدمی ہوں"۔ اُسی نے بعد ازاں مسیح کے بارے میں لکھا کہ "نہ اُس نے گُناہ کیا اور نہ اُس کے مُنہ

سے کوئی نکمی بات نکلی"۔ پھر رینن اور سٹراس اور اُن کے ہمخیال آدمیوں کی شہادت قابل لحاظ ہے۔ ان اشخاص نے مسیحی مکاشفہ کو توڑ کر گرا دینے کے لئے بہت سا وقت اور دماغ خرچ کیا۔ مگر وہ سب کے سب مسیح کی اخلاقی عظمت کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ بلکہ جو الزام یسوع کے دشمنوں نے اُس پر لگائے وہی اُلٹے اُس کے لئے تعریف کا سہرا ہو گئے۔ چونکہ وہ غریبوں اور قوم سے خارج شدہ آدمیوں کے ساتھ کھاتا تھا۔ اُس پر کھاؤ ہونے کا الزام لگایا گیا۔ اُس پر چوتھے حکم کے توڑنے کا الزام لگایا گیا۔ کیونکہ اُس نے سبت کے دن ایک آدمی کو چنگا کیا۔ جب اُس نے ناپاک رُوحوں کو نکالا تو اُنہوں نے کہا کہ اُس میں بدرُوح ہے ✦

جس پہلو سے مسیح کو دیکھو خواہ اُس کی متحمل صفات مثلاً خیر اندیشی رحمدلی۔ فروتنی۔ صبر اور برداشت کو لو یا اُن مردانہ خوبیوں کو مثلاً دلاوری شجاعت۔ حوصلہ۔ راست بازی اور غصہ کا ملاحظہ کرو۔ تو ان سے بہتر صفات کا خیال میں لانا ویسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ زندگی کی کسی حالت کا قیاس کرنا جس میں مسیح تمہارا رہنما نہیں ہو سکتا۔ اُس کا اوروں کے ساتھ مقابلہ کرنا صحیح اعتقاد کے خلاف ہی نہیں بلکہ خوش تمیزی اور معقولیت کے خلاف جُرم بھی ہے ✦

اس لئے جب کوئی اُس جیسا آدمی مجھ سے حلم اور پاکیزگی اور معافی اور رحمدلی اور احترام کا ذکر کرتا ہے۔ تو مجھے خوبیوں کا ایک بالکل نیا اور تازہ مجموعہ نظر آنے لگتا ہے کیونکہ نہ تو اس سے پیشتر اور نہ کہیں اَور میں نے کسی پاک آدمی کو پاکیزگی کے بارے میں۔ نہ غفار کو عفو کے۔ نہ سب کچھ برداشت کرنے والے کو صبر کے۔ نہ رحیم کو دردمندی کے بارے

میں کلام کرتے سُنا ہے۔ یہ فقط مسیح کی شخصیت ہی ہے جس نے انسان کو سب سے پہلے خُدا کی بادشاہت یعنی اُن خُوبیوں کے تلاش کرنے کی طرف راغب کیا جن کی یسُوع نے تعریف کی۔ خود یسُوع ہمارا اخلاقی محرک ہے۔

(۲) چُونکہ مسیح اپنے آپ کو حق کہتا ہے جس کے بارے میں اُس نے تعلیم دی وُہ لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ اُن احکام کو مانیں جن کی تعبیر اُس نے رُوحانی طور پر کی۔ مگر اس سے بھی بڑھ کر وہ لوگوں کو اپنے پاس آنے کی دعوت دیتا ہے۔ اُس کی حیرت انگیز بُلاہٹ یہ ہے کہ "میرے پاس آؤ"۔ اَوروں نے بنی آدم کے آگے کھڑے ہو کر نصیحت کی کہ اِس یا اُس طرف جاؤ یا اس صداقت یا اُس شرع کو مانو۔ مگر مسیح اُن کو اپنے پاس بُلاتا ہے۔ وہ کہتا ہے "میرے پاس آؤ"۔ انبیاء بار بار کہتے تھے۔ "خُداوند یُوں فرماتا ہے"۔ مگر یسُوع کہتا ہے کہ "مَیں تم سے کہتا ہُوں"۔ وہ لوگوں سے کہتے تھے کہ اس پیغام کو قبول کرو کیونکہ وہ خُدا کی طرف سے ہے۔ مسیح نے کہا کہ مجھے قبول کرو کیونکہ مَیں خُدا کی طرف سے آیا ہُوں۔ اَور ہادی چوراہے میں کھڑے ہو کر تھکے مسافروں کو جو زندگی کی مسافرت میں ہانپتے ہُوئے جا رہے ہیں پُکار کر کہتے ہیں کہ "راستہ اُس طرف ہے"۔ "راستی وہ ہے"۔ "زندگی اُس جگہ ملیگی"۔ مگر وہ گلیل کا رہنے والا دیہاتی چوراہے میں کھڑا ہو کر پکارتا ہے کہ "اَے محنت اُٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہُوئے لوگو سب میرے پاس آؤ۔ مَیں تمہیں آرام دُونگا۔" "راہ حق اور زندگی مَیں ہُوں"۔

مسیح نے اپنی بابت سکھایا کہ سب سے اعلیٰ صداقت مَیں ہُوں۔

اس کی نہایت عجیب مثال اُس تعلیم میں پائی جاتی ہے جو اُس نے موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں دی۔ اس معمّے کے حل کرنے کے لئے بنی آدم مدّتوں تک غم اور بیتابی سے سر پٹکتے رہے۔ بودھ اُس زندگی کی بابت کچھ نہیں جانتا تھا۔ اُس کی تعلیم کے مطابق رُوح کا آخرکار نروانا میں معدوم ہوجانا ہی اعلےٰ معراج تھا۔ خُدا پرست عبرانی کے لئے الٰہی مکاشفہ نے اُس پار کے دیار پر روشنی نہیں ڈالی تھی۔ افلاطون اور سُقراط اور سسرو عمدہ الفاظ میں اُس کے پسندیدہ اور دلپذیر ہونے کے بارے میں تحریر و تقریر کرسکتے تھے۔ مگر مسیح کے آنے پر دُنیا نے کوئی ایسی بات سُنی جو پیشتر کبھی سُننے میں نہ آئی تھی۔ اُس نے یہ نہ کہا کہ "قیامت ہوگی" یا "موت کے بعد زندگی ضرور ہوگی"۔ بلکہ یہ کہ "قیامت اور زندگی مَیں ہُوں جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ کبھی نہ مریگا"۔ ہم مسیحی اُس آئندہ کی حیات کی بابت جو کچھ ایمان اور اُمید رکھتے ہیں، اُس کی بنیاد مسیح کی شخصیت پر ہے۔ وہ ایسا شخص تھا جس نے سڑاہٹ نہ دیکھی بلکہ وہ مُردوں سے پھر زندہ کیا گیا۔ اور مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے سبب قدرت کے ساتھ خُدا کا بیٹا ٹھہرا"۔

اس طور سے یسُوع کی ساری تعلیم اُس کی شخصیت کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ کیا تُم قیاس کرسکتے ہو کہ سُقراط زہر کا پیالہ ہاتھ میں لے کر کہہ سکتا تھا کہ "یہ میرا خُون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے"؟ کیا یہ خیال میں آسکتا ہے کہ افلاطون کا کوئی شاگرد اس قسم کے الفاظ جو مسیح کے ایک شاگرد نے اُس کی بابت کہے استعمال کرسکتا تھا کہ "مَیں افلاطون کے ساتھ مصلوب ہُوا ہُوں۔ اور اب مَیں زندہ نہ رہا بلکہ افلاطون مجھ میں زندہ ہے"؟ یہ سوال ایسا بے معنی اور نامعقول ہے کہ

اِس سے ہمیں وہ گڑھا نظر آنے لگتا ہے جو مسیح اور اور آدمیوں کے بیچ مُنہ پسارے ہُوئے ہے۔ پھر وہ نئی زندگی جس کی نسبت کہا گیا ہے کہ تبدیل شُدہ اور نوزاد انسان میں پیدا ہو جاتی ہے وہ اُس انسان کی کوئی ذاتی قابلیت نہیں ہے۔ نہ کوئی ایسا قانون ہے جس کے ماننے یا اختیار کرنے سے زندگی حاصل ہو سکتی ہے۔ بلکہ یہ مسیح اُس میں جلال کی اُمید ہے۔ مسیحیت کی صداقت اور برکات کا سارا مقصد ہمارے لئے مسیح میں اور ایمان کے ذریعہ اُس کے ساتھ اتحاد میں حاصل اور مکمل ہو جاتا ہے۔ "زندہ رہنا میرے لئے مسیح ہے"۔

۳۔ مسیح کی موت کے ذریعہ گُناہ کی معافی اُس کی تعلیم میں عظیم الشّان مرکزی۔ لاثانی اور زبردست درجہ رکھتی ہے۔ لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اگر مسیح کے دل میں صلیب کے ذریعہ نجات کی وہی منزلت ہوتی جو مسیحی کلیسیا کے دل میں ہے تو لازم تھا کہ وہ فریسیوں کے گُناہوں کی اور حلم اور فروتنی کی خُوبیوں کی نسبت اُس کا زیادہ ذکر کرتا۔ یہ سچ ہے کہ مسیح کی قُربانی والی موت اور کفّارہ دینے والے خُون کا بیان اور اظہار اُس کے مرنے کے بعد رسُولوں کے ذریعہ سے ہُوا۔ مگر بعینہٖ اِسی کی اُس نے پہلے سے تدبیر کی تھی۔ ضرور تھا کہ وہ زندہ رہے اور مر جائے پیشتر اِس کے کہ مُنادی کے لئے انجیل مہیّا کی جائے۔ جب وہ صلیب پر ہمارے گُناہوں کی خاطر مر گیا اور مُردوں میں سے جی اُٹھا تو اُس نے اپنے شاگردوں کو بھیج دیا تاکہ ہر ایک مخلُوق کے آگے انجیل کی مُنادی کریں۔ یہ انجیل کیا ہے؟ ہمیں معلوم ہے کہ جن شاگردوں کو یہ خدمت سپُرد کی گئی وہ اِس سے کیا سمجھے۔ اُن کے لئے انجیل کا مطلب یہ تھا کہ مصلوب ابنِ اللہ پر ایمان لانے کے ذریعہ گُناہوں

کی معافی کا اعلان کیا جائے۔ اسی کی وہ مُنادی کرتے تھے۔ اسی سے دُنیا میں
کلیسیا قائم ہُوئی اور اسی سے موجود رہی۔ یہ اور فقط یہی انجیل کلیسیا کو دُنیا
میں برقرار رکھ سکتی ہے۔ یعنی مسیح صلیب پر چڑھایا گیا اور ہمارے گناہوں
کے سبب گھائل کیا گیا اور ہماری بدکاریوں کے باعث کچلا گیا۔

ایسا معلم اور کہاں پاؤ گے؟ ایسا اُستاد کہاں ہے جو اس قسم کے
دعوے کرتا اور اپنے آپ کو حق قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس بھاری وجہ
سے مجھ پر ایمان لاؤ کہ میں خدا ہوں۔ اگر تم دردمندی کا کلمہ سُننا چاہتے ہو تو
اُس سے بڑھ کر نرمی کی باتیں کون کہہ سکتا ہے؟ اگر تمہارا مایوس دل پُر اُمید
الفاظ سُننے کا طالب ہے تو اُس سے زیادہ اطمینان کے کلمات کون کہہ سکتا
ہے؟ اگر تم تسلّی بخش باتیں سُننے کے آرزومند ہو تو اُس جیسے شیریں الفاظ
کس کے مُنہ سے سنو گے؟ کیا تمہیں روشنی کی ضرورت ہے؟ کیا تمہاری
رُوح آرام کی طالب ہے؟ کیا تم محبت کے بھُوکے ہو؟ یہ سب کُچھ تم مسیح کے
سوائے کہاں پا سکتے ہو؟ کیا تمہارا دِل گناہوں کی مغفرت کے مبارک کلمات
سُننے کا مشتاق ہے۔ یا کیا اُس کی خواہش ہے کہ اُس پر سے بوجھ اُٹھایا جائے
اور گناہ کا داغ دھویا جائے؟ مسیح کے سوائے یہ باتیں کہاں حاصل ہوں گی؟ اے
خُداوند جس کو ہم نے ترک کر دیا اور بھُلا دیا۔ جس کے خلاف ہم نے گناہ کیا۔ جس
سے ہم غافل ہو گئے۔ جس کی ہم نے تحقیر کی۔ جسے ہم نے دوبارہ صلیب
پر چڑھایا۔ اے صابر رب یسوع۔ اے ابن آدم۔ اے ابن اللہ! ہم تجھے
چھوڑ کر کہاں جائیں؟ ہمیشہ کی زندگی کی باتیں تو تیرے ہی پاس ہیں۔

چوتھا سوال

کیا مسیح نے معجزے دکھائے؟

"یسوع ناصری ایک شخص تھا جس کا خُدا کی طرف سے ہونا تم پر اُن معجزوں... سے ثابت ہوا"۔ (اعمال ۲:۲۲)

دو بڑے ستون جن پر مسیحی صداقت کی ہیکل کھڑی ہے اور جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ صداقت انسان کے لئے خُدا کا مکاشفہ ہے پیشینگوئیاں اور معجزات ہیں۔ پیشتر ازیں ہم پیشینگوئیوں کا ذکر کر چُکے ہیں۔ وہ دراصل تکلم کے معجزات ہیں۔ اب اُن فعلی معجزات پر غور کرینگے جو عہد جدید کی رُو سے یسوع مسیح نے دکھائے۔ آجکل ہم زمانہ جدید کی بے ایمانی کی رُوح کا بہت سا چرچا سُنتے ہیں۔ بے ایمانی کے ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔ مگر اِس میں کوئی جدت نہیں۔ اُس کی قدامت انسان کی قوتِ تخیلہ کی عُمر کے برابر ہے۔ لیکن شاید آج مسیحی مذہب کا تحکمانہ انکار پیشتر کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ اور اس انکار کا سب سے عام سبب سائنس کی بنا پر ہے۔ مسیح کے خلاف اِس انکار کا عقیدہ یہ ہے کہ جس بات کو ثابت نہیں کر سکتے اُسے مت مانو اور جو چیز نظر نہیں آتی اُس کا یقین نہ کرو۔ یہ عقیدہ نہ تو سائنس کے مطابق ہے اور نہ مذہب کے۔ یہ انسانی دل کے غرور کا اظہار ہے۔ یہ وہ گُناہ ہے جس کے باعث فرشتے گر گئے اور جو اب تک بنی آدم

کو یسوع مسیح کی فرمانروائی قبول کرنے سے باز رکھتا ہے *

یہ علم طبیعات کے پھیلنے ہی کا نتیجہ ہے کہ مسیحی کلیسیا کے بہت سے شرکاء مسیحی مکاشفہ کے فوق العادت اور اعجازی عنصر کو کم قدر سمجھنے کی طرف بہک گئے ہیں۔ چونکہ علم طبیعات معجزوں کی بابت کچھ نہیں جانتا اسلئے بہت سے مسیحی اپنی رُوح کو اپنی کہنے سے ڈرتے ہیں اور اس طرح عمل کرتے ہیں کہ گویا اُن کی یہ خواہش ہے کہ کاش عہدِ جدید میں مسیح کے حیرت انگیز کاموں کا بیان ہی نہ ہوتا اس کا ماحصل یہ ہے کہ کلیسیا کے مصنفین اور واعظ مسیح کی الوہیت اور اختیار کی صداقت کے مندرجہ بالا دو بڑے خُداداد اثبات میں سے ایک کا ذکر کرتے ہوئے جھجکتے ہیں۔ جس کو خود مُنجی اور اُس کے رسولوں نے مسیحی راستی کا ثبوت اور مصدق قرار دیا۔ آج وہ گویا ٹھوکر کا پتھر اور مسیحیت کو مُضطرب کرنے والا ایزادی حصہ یا فالتو اسباب تصور کیا جاتا ہے جو پھینک دینے کے لائق ہے۔ یہ بھی ایک طریق ہے جس سے کلیسیا انسان کی خوشنودی اور امداد حاصل کرنے کی غرض سے دُنیا کے ہمشکل ہونے کے خطرے میں پڑ جاتی ہے مسیحی کلیسیا کے لئے اس سے زیادہ اور غضب کیا ہو سکتا ہے کہ عوام کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ مسیحی لوگ زمانہ سازی کی خاطر الٰہی مکاشفہ کے کسی حصے سے دست بردار ہو جاتے ہیں *

مسیح کی زندگی کے بعض بڑے واقعات کی نسبت جو اناجیل میں مندرج ہیں در پردہ بے پروائی یا خفیہ انکار کرنا ہر ایک عقل سلیم رکھنے والا آدمی سراسر عقلی تضاد قرار دیگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مسیحیت علم الاخلاق کی رُو سے تو خدا کا مذہب ہو اور تواریخی طور سے باطل ہو۔ جو شخص مسیحی

ایمان کے تصورات پر جنہیں اعلےٰ تصورات کہا کرتے ہیں وعظ کرتا ہے اور ساتھ ہی اُس کے واقعات کو نظرانداز کرتا یا اُن سے پہلوتہی کرتا یا اُن کا انکار کرتا ہے وہ ایک قسم کی علمِ الٰہیات کی شعبدہ بازی کا مرتکب ہوتا ہے جس کو اگر اندھ لوگ قبول کر کے اختیار کرلیں تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ مسیحیت کا یعنی اُس کے تصورات اور واقعات اور اُمیدوں اور اُس کی ہر ایک بات کا پُورا انکار کرنا پڑیگا۔ ہم اپنے سہارے کے لئے جذبات کا نرم بستر نہیں مانگتے۔ بلکہ واقعات کی سخت چٹان کو ترجیح دیتے ہیں۔ خواہ ہماری مسافرت میں ہمارے پاؤں کٹ کر زخمی ہو جائیں۔ کیا مسیح نے وہ معجزات دکھائے جو اناجیل میں اُس کی طرف منسوب کئے گئے ہیں؟ ہمیں معلوم ہے کہ معجزات مسیح کی زندگی کے دیگر واقعات کے ساتھ پیچ در پیچ طور سے وابستہ ہیں۔ اور جو مسیح پانی پر چلتا اور مُردوں کو جلاتا اور اندھوں کو بینائی عطا کرتا تھا۔ اُس کے سوائے اَور کوئی مسیح نہیں ہے۔ جو لوگ کسی اَور مسیح کے بارے میں کلام کرتے ہیں وہ ایک بناوٹی کہانی یا کسی موہُوم شے یا خیالِ خام کا ذکر کرتے ہیں۔ کیونکہ مسیحی مذہب کو بلا معجزات اور بغیر فوق العادت کے قیاس میں لانا ویسا ہی ناممکن ہے جیسے چوکھونٹے دائرے کا۔

پس وہ بھاری سوال اور امر تنقیح طلب جو اس وقت ہمارے سامنے ہے یہ ہے کہ کیا مسیح نے معجزے دکھائے؟ اس کے فقط یہ معنی نہیں کہ کیا اُس نے پانچ ہزار آدمیوں کو پانچ روٹیوں اور دو مچھلیوں سے سیر کیا۔ نائن کی بیوہ کے بیٹے کو زندہ کیا یا کیا اُس نے بیت حسدا کے حوض والے بیمار کو چنگا کیا بلکہ وہ سوال اس سے بدرجہا بڑا ہے یعنی

یہ کہ کیا کوئی شخص مسیح ہُوا بھی ہے؟ کیا دُنیا میں کوئی الٰہی مُنجی آیا ہے جس پر ایمان لا سکتے ہیں؟ اس سوال کا جواب دینے سے پیشتر کہ کیا مسیح نے معجزے دکھائے یا نہیں۔ اوّل اس بات پر غور کرینگے کہ کیا معجزات فی الحقیقت واقع ہُوئے اور پھر یہ کہ اُن کا مطلب اور مُدعا کیا ہے؟

(۱)۔ کیا معجزات فی الحقیقت واقع ہُوئے؟

ہم معجزے کی تعریف پر وقت ضائع نہیں کرینگے۔ میرا مطلب معجزات سے ایسے عجائبات ہیں جن کے بارے میں اناجیل میں مرقوم ہے کہ مسیح سے سرزد ہُوئے۔ جو نہ ہم خود دکھا سکتے ہیں اور نہ کسی اور انسان نے دکھائے۔ معجزے کی مختصر اور مکتفی تعریف یہ ہے کہ "معجزہ فطرتی عالم میں ایک ایسا واقعہ ہے جو حواس کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے اور الٰہی قدرت سے بغیر کسی کافی انسانی یا طبعی سبب کے پیدا ہُوا اور جس کا مُدعا خُدا کی مرضی کا اظہار اور انسان کی بھلائی ہے۔" یہ تعریف اناجیل کے اُن تمام واقعات پر حاوی ہے جو عام طور پر معجزات کہلاتے ہیں۔

(ا) **معجزات بذاتِ خود ممکن ہیں۔** اس وقت اس خیال کو دِل سے نکال دو کہ جن معجزات کا ذکر اناجیل میں پایا جاتا ہے وہ تواریخی واقعات ہیں۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ معجزے کا امکان قرینِ عقل ہے خواہ وہ ہمارے یا اَوروں کے مشاہدے میں آئے ہوں یا نہ آئے ہوں۔ جو کچھ انسان کے تجربے میں آتا ہے اُسی کا علم اُسے ہو سکتا ہے۔ فی الحقیقت جسے ہم علم کہتے ہیں وہ محض ایسے مسلسل واقعات کا موازنہ ہے جو ہمارے مشاہدے میں آتے ہیں۔ اگر کوئی بات ہمارے مشاہدے میں نہیں آئی تو ہم اُس کی بابت یقینی طور پہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ واقع ہوئی ہو گی یا

واقع ہو سکتی ہے یا نہیں۔ جب زُولُو سردار کے خادموں نے اُس سے کہا کہ ہم انگلستان سے لوہے کے جہاز پر سوار ہو کر آئے ہیں تو اُس کو مطلق یقین نہ آیا۔ بھلا کبھی کسی نے سُنا کہ لوہا پانی پر تیر سکتا ہے؟ پچاس سال پیشتر اگر کوئی خادم الدین منبر پر کھڑے ہو کر یہ پیشینگوئی کرتا کہ نصف صدی کے بعد اُس کا جانشین اُسی ممبر پر سے نہ فقط اپنے گرجے کے حاضرین کو بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں میل پرے کے لوگوں کو درس سُنائیگا اور اُس کی جماعت کے گانے کی آواز دُور دُور علاقوں میں سُنائی دیگی تو سامعین کے دل میں ضرور خیال پیدا ہوتا کہ اُس خادم الدین کے سر میں خلل ہے۔ آج کے دن بہت سے واعظ ہر اتوار کی رات کو ریڈیو کے ذریعے اِسی طرح وعظ کرتے ہیں۔ اب یہ بات ہمارے مشاہدے میں آچکی ہے۔ اور گو ہم نہیں جانتے کہ یہ کیونکر ہوتا ہے مگر اِس سے ہمارے دل میں حیرت پیدا نہیں ہوتی۔ پس ہمیں خبردار ہونا چاہیئے کہ ہم یہ نہ کہیں کہ یہ بات ہو سکتی ہے اور وہ نہیں ہو سکتی۔

یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ معجزہ خُدا کے قانونِ فطرت کا توڑنا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اگر خُدا کسی غیر معمولی طریق پر کام کرے تو وہ خود اپنے خلاف عمل کریگا۔ مگر اِس کے یہ معنی ہونگے کہ ہم خُدا اور اُس کے ہر طریقِ عمل پر حاوی ہیں۔ برعکس اس کے ہمارے مشاہدے کا حلقہ کیسا تنگ ہے۔ فطرت کی عام یکسانیت جس کو معجزے کے مُنکر زور سے پیش کرتے ہیں انسان کے لئے برکت کا باعث ہے۔ اگر ہمیں کششِ ثقل یا سردی اور گرمی یا موسم سرما اور گرما یا فصل کی کاشت اور درو کے قوانین کا اعتبار نہ ہو تو ہمارے لئے رُوئے زمین پر بود و باش کرنا نہایت دشوار ہو جائے گا۔

مگر فطرت کی اس یکسانیت کو قوتِ ارادہ سے قابو میں لے آنا ممکن ہے اور بقول بائبل معقول اور کافی وجوہات سے اُس میں دست اندازی ہو سکتی ہے اور ہوئی ہے۔ جب ہم فطرت کی یکسانیت کا ذکر کرتے ہیں تو اُس کے یہ معنی ہیں کہ معلول کے لئے علّت کا ہونا ضروری ہے اور تمام نتائج جو ہمارے مشاہدے میں آتے ہیں فطرتی اسباب سے پیدا ہوئے ہیں۔ مگر اس سے یہ مستنبط نہیں ہوتا کہ معجزہ ناممکن ہے کیونکہ معجزے کا اعتقاد رکھنے سے یہ مراد نہیں کہ کوئی نتیجہ بغیر کافی سبب کے ظہور میں آ گیا بلکہ یہ کہ وہ خدا کے بلا توسط فعل یا ارادے سے پیدا ہوا ہے کیونکہ خدا دوسرے اسباب کے ذریعہ سے اور اگر بائبل کا بیان راست ہو تو بعض اوقات بلا توسط کام کرتا ہے۔ معجزہ علّت اور نا معلول کے قانون کے منافی ہونے کے اُس کی سب سے اعلیٰ نظیر ہے +

اگر خدا نے عالم کو بنا کر اپنے آپ کو اُس میں سے ایسا خارج کر دیا کہ وہ پھر اُس میں داخل نہیں ہو سکتا اور نہ اُس کے قواعدِ عمل کو روک سکتا یا با ترتیب رکھ سکتا یا اُن پر کچھ ایزاد کر سکتا ہے تو وہ ہرگز خدا کہلانے کے لائق نہیں۔ وہ اُس آدمی کی مانند ہو گا جس نے کل تو بنائی مگر اُس کے چلنے کے قوانین میں کبھی مداخلت نہیں کر سکتا۔ جس بات کو ہم قوانین میں مداخلت یا رُکاوٹ یا تغیر کہتے ہیں ممکن ہے کہ وہ بجائے ایسا ہونے کے خدا کی کسی بڑی تجویز کا حصّہ ہو۔ وہ انسان کے نزدیک معجزہ ہے مگر خدا کے نزدیک معجزہ نہیں ہے۔ اگر کسی گنتی کی کل میں لاکھوں سال تک مربع اعداد کا شمار پیدا ہوتا رہے اور پھر کسی روز مکعب عدد پیدا ہو جائے تو اُن لوگوں کے لئے جو مدتوں سے اُس کل کو استعمال کرتے رہے ہیں یہ عمل معجزہ ہو گا مگر

جس آدمی نے اُسے ایسا بنایا کہ اتنے سال تک مربع اعداد نکالنے کے بعد مکعب اعداد نکالے اُس کے لئے یہ معجزہ نہ ہوگا۔ آرچ بشپ ٹرینچ صاحب بیان کرتے ہیں کہ ۱۶۹۰ء میں ملکہ میری نے ایلوے کا ایک پیڑ کہیں سے لاکر شاہی محل کے باغ میں لگایا۔ صدی کے آخری دس سال میں اُس پیڑ میں پھولنے کا کوئی نشان پیدا نہ ہُوا۔ اٹھارھویں صدی بھی گزر گئی مگر اُس میں کلی نہ پھوٹی۔ اُنیسویں صدی کے اٹھائیسویں سال تک پھُول نکلنے کی کوئی علامت نہ تھی۔ آخر ۱۸۸۹ء میں اُس پُرانے پیڑ میں غنچے شگفتہ ہُوئے۔ شاید کئی پُشتوں تک لوگ اُس پیڑ کو دیکھتے رہے اور اس مضمون پر عالمانہ کتابیں تصنیف کرتے رہے ہونگے کہ وہ پھُولنے والا درخت ہی نہیں اور نہ اُس میں کبھی کلیاں پھُوٹینگی۔ باوجود اس کے وہ غلطی پر تھے۔ شگفتگی کی طاقت بالقوۃ خفیہ اور خفتہ طور پر اُس کے اندر موجود تھی۔ یہ کوئی معجزہ نہ تھا۔ بلکہ جب اُس میں کلیاں پھُوٹیں تو اُس نے اپنی ہستی کے قانون کو مدت کی تاخیر کے بعد پُورا کیا"۔ خود خُدا ہی ایک عظیم معجزہ ہے۔ اگر یہ تسلیم کرلو تو پھر سب کچھ ممکن ہے۔ اگر اس کا انکار کرو تو سب کچھ سربمہر راز ہے۔

(ب) معجزے کا ہونا بذاتِ خود اغلب ہے۔ ہم دیکھ چُکے ہیں کہ اگر کوئی خُدا ہے تو معجزے کا امکان بھی ہے۔ بشرطیکہ اُسکی ضرورت ہو۔ اب ہم غور کرینگے کہ معجزے کا عمل نہ فقط ممکن بلکہ اغلب ہے۔ سب سے بھاری سوال یہ ہے کہ کیا خُدا نے اپنی مرضی کا مکاشفہ انسان کو بخشا ہے؟ خُدا نے انسان کو ایسی مذہبی اور اخلاقی سرشت کے ساتھ خلق کیا ہے جو مٹنے والی نہیں۔ یہ سرشت اپنی بگڑی ہُوئی اور گری ہُوئی حالت میں بھی اپنی ذات کی عظمت اور حقیقت پر شاہد ہے۔ خُدا کے لئے ایسے متنفس

کو خلق کرنا اور پھر کبھی اپنے آپ کو اُس پر ظاہر نہ کرنا اور نہ اس مذہبی سرشت سے ہمکلام ہونا ویسا ہی عمل ہے کہ آنکھ کو بغیر نُور کے اور کان کو بغیر آواز کے بنایا جائے۔ اگر خُدا اپنے تئیں اپنے اُس مخلوق پر ظاہر کرے جو اپنی ہوا و ہوس اور اندیشوں کا شکار ہو کر گمراہ ہو گیا ہے تو یہ اُس کی ذات کے شایاں ہوگا۔ سوائے مکاشفہ یا خُدا کی طرف سے کسی کلام کے انسان نے اپنی تاریکی کے رفع کرنے اور اپنی غلامی کی زنجیریں توڑنے کے لئے کچھ نہیں کیا۔ اگر انسان نے کہیں ترقی کی ہے تو اُس کا سبب یہی ہے کہ خُدا نے بنی آدم کو کبھی ترک نہیں کیا اور نہ اپنے آپ کو بغیر گواہ کے چھوڑا ہے۔ یقیناً انسان کو مکاشفہ کی ضرورت ہے۔ کیا خُدا نے اپنے آپ کو منکشف کیا ہے؟ بنی آدم کی عاقبت اسی سوال پر منحصر ہے۔

پس اگر یہ اغلب ہے کہ پُرحکمت اور پُرشفقت خُدا اپنے آپ کو ظاہر کریگا تو معجزے کا ہونا بھی قرینِ قیاس ہے۔ اس کے بغیر وہ اپنے مکاشفہ کو ثابت کیونکر کر سکتا ہے؟ انسان اپنی گری ہوئی حالت میں بغیر معجزے کے کیسے معلوم کر سکتا ہے کہ خُدا اُس کے ساتھ ہمکلام ہوا ہے؟ اگر مختلف زمانوں میں خُدا کسی بڑے نشان یا عجیب کام کے ذریعہ یہ نہ کہتا کہ "دیکھو میں یہاں ہوں" تو انسان کو کیسے معلوم ہو جاتا کہ خُدا واقعی وہاں ہے اور اُس نے کلام کیا ہے؟ یہ معجزے یعنی فطرت کی معمولی یکسانیت سے تجاوز ہی کے ذریعہ ہے کہ انسان کی توجہ کھینچی جاتی ہے اور اُسے یاد دلایا جاتا ہے کہ کوئی اعلےٰ شخصیت اور اعلےٰ طاقت کام کر رہی ہے اگر یہ یکسانیت توڑی نہ جاتی تو انسان ابد تک منکرِ خُدا رہتا اور کبھی جان نہ سکتا کہ خُدا نے کلام کیا ہے۔ مگر جب جھاڑی میں آگ مشتعل ہوتی ہے اور وہ جل نہیں جاتی

اور جب زمین اوس سے تر ہو جاتی ہے۔ اور اُون کا کترن خشک رہتا ہے یا اُون کا کترن بھیگ جاتا ہے اور زمین خشک رہتی ہے۔ یا جب دریائے قلزم کی موجیں پیچھے کو ہٹائی جاتی ہیں یا آرامی گروہ کو خُدا کا فرشتہ ایک رات میں فنا کر دیتا ہے یا جب اندھوں کی آنکھیں کھولی جاتی ہیں اور سوکھے ہوئے بازو میں طاقت بحال کی جاتی ہے اور کُبڑوں کی پیٹھ سیدھی کر دی جاتی اور مُردے قبروں میں سے جلائے جاتے ہیں تب انسان معلوم کر لیتا ہے کہ خُدا کام کر رہا ہے۔ معجزہ وہ شاہی مُہر ہے جو خُدا نے اپنے مکاشفہ پر لگا دی ہے۔ جیسے نیکدُیمس نے یسُوع سے کہا کہ "جو معجزے تُو دکھاتا ہے کوئی شخص نہیں دکھا سکتا جب تک خُدا اُس کے ساتھ نہ ہو"۔

(ج) **معجزات کا وقوع قابلِ ثبوت ہے۔** ہم نے دیکھا ہے کہ معجزات کا ہونا بذاتِ خود ممکن اور اغلب ہے۔ اب ہم دیکھیں گے کہ وہ فی الحقیقت واقع ہوئے۔ یُوحنّا نے پانی سے مَے بنانے کے معجزے کا بیان کر کے کہا کہ "یہ پہلا معجزہ یسُوع نے قانائے گلیل میں دکھا کر اپنا جلال ظاہر کیا"۔ یہ معجزات کا شروع تھا جس کے یہ معنے ہیں کہ یسُوع نے خلائقِ عامہ کی خدمت کے شروع سے آخر تک بہت سے معجزے دکھلائے۔ مسیحی مذہب خُدا کی طرف سے مکاشفہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے جس کی تصدیق اور تائید بڑے بڑے نشانات اور عجائبات کے ذریعہ سے ہوئی۔ اناجیل میں چھتیس معجزوں کا حال مندرج ہے اور لکھا ہے کہ اور بہت سے معجزات تھے جو درج نہیں کئے گئے۔ معجزات کے بیان کو چاروں انجیلوں سے خارج کر دو اور پھر دیکھو کہ کس قدر مسیح باقی رہ جاتا ہے۔ معجزات مسیح کی شخصیت کے جامے میں ایسی تاریں ہیں جن

کو جامے کے برباد کرنے کے بغیر توڑ کر نکالنا ناممکن ہے ۔ جس عاجز اور بے قدر اور خستہ حال مسیح کو اُس کی زندگی میں سے اعجازی عنصر کے نکال پھینکنے کے بعد پیش کیا جاتا ہے ۔ وہ وہی مسیح نہیں ہے جسے دُنیا نے صدق دل سے قبول کیا ہے یا کرے گی ۔ ہم ایک ہی مسیح کو جانتے ہیں اور وہ وہی مسیح ہے جو پانی پر چلا جس نے مُردوں کو زندہ کیا اور قبر میں سے مُردے کو آواز دے کر جلایا ۔ اگر یہ واقعات نہیں ہیں تو کوئی شخص مسیح بھی نہیں ہُوا ۔ اب ان واقعات کا ثبوت کیا ہے ؟

اُن واقعات کی شہادت عہدِ جدید میں پائی جاتی ہے اِس شہادت کے معنی اور اُن واقعات کی حقیقت کی نسبت کچھ شبہ نہیں ہو سکتا نامی دہریہ ہیوم معجزات پر اپنے مشہور مضمون میں اس بات پر زور دیتا ہے کہ معجزات ہمارے عام تجربہ سے اس قدر دُور ہیں کہ جب ہم اُن کا بیان پڑھتے ہیں تو ہمیں یہ خیال کر لینا چاہئے کہ اُن کا واقع ہونے کے بجائے ناراستی اور فریب خوردگی کا نتیجہ ہونا زیادہ اغلب ہے ۔ لیکن جب ہم عہدِ جدید کی شہادت کو دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ مان لینا دشوار معلوم ہوتا ہے کہ جن اشخاص نے اُن معجزات کو قلمبند کیا وہ فریب دہندہ یا فریب خوردہ تھے ۔ جو شخص اُن حالات کو پڑھتا ہے اُس کے دل میں یہ نتیجہ بڑے زور سے قائم ہو جاتا ہے کہ اُن کے بیان کرنے والے یا تحریر کرنے والے خاکسار اور صاف باطن اور نہایت خدا ترس آدمی تھے ۔ اگر وہ بغیر کانشنس کے اور جھوٹے قصے گھڑنے والے تھے تو یہ کیونکر ہُوا کہ اُنہوں نے اخلاقی فضیلت کی ایسی تصویر کھینچ دی جس کے آگے دُنیا بڑی تعظیم سے سرنگوں ہو گئی ۔ جن آدمیوں نے مسیح کی

زندگی کے جھوٹے واقعات اختراع کر لئے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اُنہوں نے ایک ایسی حیرت انگیز سیرت کا نقشہ جما دیا؟ ہمیں کم از کم اس بات کا یقین ہے کہ مسیح کے معجزات کا بیان کرنے والے دیدہ و دانستہ فریب دینے والے اور دروغ گو نہ تھے۔

لیکن ممکن ہے کہ اُنہوں نے دھوکا کھایا ہو۔ کیا لکھتے وقت اُن کی آنکھوں کے آگے جوش کا پردہ چھایا ہوا تھا کہ اُنہوں نے ایسے واقعات کا تصوّر دل میں باندھ لیا جو کبھی سرزد نہ ہوئے تھے۔ یا جب اُنہوں نے اُن سوانح کو دیکھا تو کیا محض معمولی واقعات کو لیکر فرطِ محبت اور اشتیاق کے باعث مبالغہ سے اعجازی قرار دے دیا؟ کیا یہ نظر کا فریب تھا کہ اُنہوں نے خیال کیا کہ مسیح پانی پر چل رہا ہے حالانکہ وہ جھیل کے کنارے پر پھر رہا تھا جس کے قریب اُن کی ناؤ ڈگمگا رہی تھی۔ کیا نائین کی بیوہ کا لڑکا فقط بظاہر مُردہ تھا؟ مگر یہ اشخاص سریع الاعتقاد اور احمق نہ تھے۔ جن کے سر میں خلل تھا۔ برعکس اس کے وہ ہوشیار اور عاقل آدمی تھے جنہیں مسیح کو اپنے جی اُٹھنے کے بعد اُن کی کم اعتقادی پر ملامت کرنی پڑی کیونکہ وہ باور کرنے کو تیار نہ تھے کہ وہ مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ مزید برآں جن اعجازی واقعات کی بابت اُنہوں نے شہادت دی وہ ایسے نہ تھے کہ جن کے سرزد ہونے کا تصوّر فوراً دل میں پیدا ہو سکتا ہے۔ کوئی آدمی خواہ وہ کیسا ہی اعلےٰ تخیّل والا یا فرطِ انبساط سے مجنون ہو۔ کبھی قیاس نہیں کر سکتا۔ کہ کسی شخص نے پانچ ہزار آدمیوں کی جماعت کو پانچ روٹیوں اور دو مچھلیوں سے سیر کر دیا۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا کہ ایک شخص قبر میں سے تین دن کے

بعد زندہ ہو جائے۔ وہ واقعات نہ فقط ایسے تھے کہ اُن کا ظہور میں آنا کوئی سرگرم معتقد خیال میں بھی نہیں لا سکتا تھا۔ بلکہ اُن کی تصدیق بآسانی ہو سکتی تھی مثلاً مسیح کے دُشمنوں نے اُس اندھے کی شہادت کو کہ اُس کی آنکھیں یسُوع نے کھولی تھیں اُلٹ دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مگر اُس نے یقینی طور پر ثابت کر دیا کہ مَیں اندھا پیدا ہُوا تھا اور یسُوع نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ ہر معیار سے معجزوں کے حق میں شہادت قائم رہتی ہے۔ مسیح کی جس قسم کی سوانح عمری اُن صاف باطن سنجیدہ عقلمند اور دیانت دار آدمیوں نے قلمبند کی اُس میں دروغ یا دغا کا پایا جانا سب معجزوں سے بڑھ کر معجزہ ہوگا +

لیکن معجزات کا بھاری شاہد خود مسیح ہے۔ ہمیں معجزات کے تواریخی واقعات ہونے کا گواہ متی، یوحنا، مرقس اور لوقا سے بڑھ کر نہیں مل سکتا۔ لیکن خدا نے اپنے فضل سے ہمیں اُن سے بھی بڑا گواہ بخشا ہے۔ وہ گواہ خود مسیح ہے۔ ڈاکٹر رابرٹ الیف ہارٹن صاحب معجزات کے متعلق اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں کہ "کوئی مسیحیت کے اثبات کو پیش کرنے والا تسلیم نہیں کریگا کہ انجیلی معجزوں کو ماننا اور مسیح پر ایمان رکھنا ایک ہی بات ہے" اور پھر یہ کہ آئیندہ زمانے میں بہت سے لوگ انجیلی معجزوں کو نہیں مانینگے۔ مگر تو بھی مسیح پر ایمان رکھینگے۔ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ مسیح نے خود نہایت متانت سے کہا کہ مَیں معجزے کرتا ہُوں۔ جب یوحنا نے شبہ میں پڑ کر قیدخانے سے اپنے شاگردوں کو مسیح سے دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ کہ "آنے والا تُو ہی ہے یا ہم دُوسرے کی راہ دیکھیں" تو یسُوع نے پیغام لانے والوں سے کہا کہ جو کچھ تم سُنتے اور دیکھتے ہو جا کر یوحنا سے بیان کر دو کہ

اندھے دیکھتے اور لنگڑے چلتے پھرتے ہیں کوڑھی پاک صاف کئے جاتے
اور بہرے سُنتے ہیں۔ اور مُردے زندہ کئے جاتے ہیں۔ اور غریبوں کو
خوشخبری سُنائی جاتی ہے"۔ تم کہتے ہو کہ ہم نہیں مانتے کہ یسُوع پانی پر چلا، یا
اُس نے اندھوں کی آنکھیں کھولیں یا بہروں کو سُننے اور گونگوں کو بولنے کی
طاقت دی۔ تُم ان سب باتوں کو رد کرتے ہو۔ مگر تُم کہتے ہو کہ مَیں یسُوع کی
تعلیم قبول کرتا ہُوں۔ کیا فی الحقیقت تُم اُس تعلیم کو مانتے ہو اور جب وہ
خود کہتا ہے کہ مَیں نے اندھوں کو بصارت دی اور مُردوں کو زندہ کیا تو
کیا تم اُس کی بات کا یقین کرتے ہو؟ دو مختلف موقعوں پر یسُوع نے
اُس معجزے کی طرف اشارہ کیا جس میں اُس نے بیابان میں پانچ روٹیوں
اور دو چھوٹی مچھلیوں سے ایک بڑی جماعت کو سیر کیا۔ جیسے ہم صرف
اُس یسُوع کو جانتے ہیں، جس نے معجزے دکھائے ویسے ہی ہم اُس یسُوع
کو جانتے ہیں جس نے دعوےٰ کیا کہ مَیں نے معجزے دکھائے ہیں اور نہایت
غور و فکر کے بعد اپنے صاحبِ معجزات ہونے پر شہادت دی۔ لیکن یہ یسُوع
کس قسم کا آدمی تھا جس کو آج لوگ قبول کرنے اور اُس کی پرستش
کرنے کو تیار ہیں مگر اُس کے معجزوں کو نہیں مانتے؟ وہ سب مُتفق
ہیں کہ اُس کی سیرت کامل تھی۔ وہ کس قسم کی کامل سیرت ہو گی کہ وہ معجزے
دکھانے کا دعوےٰ کرتا ہے حالانکہ اُس نے دکھائے ہی نہیں۔ سب سے
پاک سیرت آدمی جو انسانی خیال کی فضا میں نمودار ہُوا ہے اور سب سے
زیادہ دردمند اور سب سے زیادہ راست گو اور اعلےٰ شخص جس کے چہرے
سے راستی درخشاں ہے جیسے نُور کی کرنیں طلوع ہوتے ہُوئے آفتاب سے
ضیا پاش ہوتی ہیں ایسا شخص گواہی دیتا ہے کہ مَیں نے معجزے اور بہت

سے عظیم الشّان عجیب کام کئے ہیں۔ اب ہم کس کی گواہی قبول کریں۔ اُن لوگوں کی جو چالاکی سے مسیحی مذہب میں سے فوق العادت عنصر کو خارج کرنے کی تدبیریں ایجاد کرتے ہیں یا مسیح کی ؟

(۲) معجزات کا مُدعا کیا ہے ؟

(ل) معجزات شاہد ہیں کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ اور اس طور سے مسیحی مکاشفہ کے خُدا کی طرف سے ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔ یعنی معجزات جیسا کہ اُن کا مُدعا تھا ظاہر کرتے ہیں کہ مسیحی مذہب سچا ہے۔ کسی آدمی کے لئے یہ کہنا کہ میں نبوّت کو پُورا کرتا ہُوں بڑا بھاری دعوےٰ ہے۔ یہ بھی بھاری دعوےٰ ہے کہ کوئی شخص بنی آدم سے پُوری محبت اور اطاعت طلب کرے یا یہ دعوےٰ کرے کہ اُس کی بادشاہت ابدی بادشاہت ہے اور آسمان اور زمین ٹل جائینگے مگر اُس کی باتیں قائم رہینگی۔ کسی شخص کا یہ دعوےٰ کرنا کہ وہ خُدا ہے اور اُس کی قربانی کی موت سے بنی آدم کے گناہ بخشے جائینگے بھاری دعوےٰ ہے۔ جو شخص اس قسم کا دعوےٰ کرتا ہے ضرور ہے کہ وہ غیر معمولی ثبوت اور شہادت پیش کرے۔ مسیح نے اس قسم کے ثبوت میں معجزات کو پیش کیا۔ "یسُوع ناصری ایک شخص تھا جس کا خُدا کی طرف سے ہونا تُم پر معجزوں سے ثابت ہُوا" ۔

اس سے زیادہ یقینی بات ہو نہیں سکتی کہ معجزات مسیح کی الٰہی ذات اور اُس کے نجات پر قادر ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ جو کچھ اُس نے یُوحنّا سے کہا ہم نے اُس کا حوالہ دیا ہے۔ یوحنّا اصطباغی یہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا مسیح وہی ہے جو آنے والا تھا یعنے خُدا کا برّہ جو دُنیا کا گُناہ اُٹھا لے جاتا ہے۔ مسیح نے کہا کہ میں وہی ہُوں اور اس دعوے کے ثبوت میں

اُس نے یُوحنّا سے اُن معجزوں کا بیان کیا جو اُس نے دکھائے تھے۔ اُس نے کہا کہ چونکہ مَیں بدرُوحوں کو نکال سکتا ہُوں اس لئے خُدا کی قدرت بنی آدم پر ظاہر ہو گئی ہے۔ یُوحنّا کہتا ہے کہ معجزوں کے ذریعہ مسیح نے اپنا جلال ظاہر کیا۔ نیکدیمس نے معجزات کی بنا پر یہ نتیجہ نکالا کہ مسیح خُدا کی طرف سے اُستاد ہو کر آیا ہے۔ پطرس ہماری عنوان کی آیت میں کہتا ہے کہ یسُوع ایک شخص تھا جس کا خُدا کی طرف سے ہونا یروشلیم کے لوگوں پر معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہُوا۔ جب یسُوع نے ایک آدمی کے گُناہ معاف کئے اور حاضرین اُس کے حیرت انگیز دعوے سے متعجب ہو گئے اور اُن کے احساس کو سخت صدمہ پہنچا کیونکہ یسُوع نے اُس مفلُوج سے کہا تھا کہ چل پھر۔ اور اس عمل کو ایک نشان قرار دیا کہ اُس کو گُناہ معاف کرنے کا حق اور قدرت حاصل ہے اُس نے فرمایا کہ "اس لئے کہ تم جان لو کہ ابن آدم کو زمین پر گُناہوں کے معاف کرنے کا اختیار ہے۔ مَیں تجھ سے کہتا ہُوں کہ اُٹھ اپنی چارپائی اُٹھا اور اپنے گھر چلا جا"۔ معجزوں کے ذریعہ شاگرد یسُوع پر ایمان لائے اور ان کی کوشش سے دُنیا مسیح پر ایمان لے آئی ؂

(ب) **معجزے مسیح کی تعلیم کو واضح اور ظاہر کرتے ہیں** ۔ جو بات مسیح کو ثابت کرتی ہے وہ اُس کو واضح بھی کرتی ہے مسیح کی تمثیلوں کی نسبت اُس کے معجزوں پر زیادہ وعظ کئے گئے ہیں اس لئے کہ معجزے تمثیلوں کو واضح کرتے ہیں۔ کتاب مقدّس میں سے مسیح کے معجزوں کو خارج کر دو تو اناجیل کی دردمندی، رقّت انگیز اور دلرُبا خُوبصُورتی جاتی رہیگی۔ مسیح کو کلام کرتے سُننا اَور ہے اور اُس کو کام میں مشغُول دیکھنا اَور ہے معجزات

میں مسیح ہماری انسانی زندگی اور اُس کے گُناہوں اور بوجھ اور رنج و غم اور اندیشوں کے ساتھ دردمندی سے مگر شاہانہ طور پر سلوک کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ رات کے چوتھے پہر جھیل پر چل رہا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ جب دُکھ اور غم کے طوفان میں زندگی کا سمندر موجیں اُچھال رہا ہے مسیح ہمارے ساتھ ہے۔ ہم اُس کی آواز سُنتے ہیں جیسی کہ اُن آندھی سے پریشان شاگردوں نے سُنی تھی اور ہم فوراً معلوم کر لیتے ہیں کہ محبّت ہمارے نزدیک اور ہمارے چاروں طرف محیط کئے ہے ہم اُسے بدرُوحیں نکالتے دیکھتے ہیں تو ہم جان لیتے ہیں کہ ہم جسقدر اُس کی رفاقت میں رہتے ہیں اُسی قدر بدرُوحیں ہم سے دُور بھاگتی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس نے مفلوج پر ترس کھایا اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی شخص ایسا غریب یا کمزور اور دُنیا کی نظر میں حقیر نہیں ہے کہ مسیح اس سے محبت نہیں رکھتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس نے برتمائی کی آنکھیں کھولیں اور اس سے ہم سیکھتے ہیں کہ جو ایمان سے مسیح کو پکڑے رہتا ہے اور نہیں چھوڑتا وہ دِل کی مراد حاصل کر لیتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس نے نائین میں قبرستان کے راستے پر جنازے کے پیچھے چلنے والوں کو ٹھہرا کر بیوہ کے بیٹے کو زندہ کیا اور ہم جان لیتے ہیں کہ جب ہمارے نہایت گہرے اور تاریک غم کے وقت گھنگور گھٹا چھائی ہُوئی ہوتی ہے اور ہم کو اِدھر اُدھر جانے کا راستہ نظر نہیں آتا اور ہم ڈبڈباتے ہُوئے آنسوؤں کے بارے راہ دیکھ نہیں سکتے تو یسُوع ہمارے ساتھ ہو کر ہم سے ہمدردی کرتا اور اپنی موعودہ محبّت کا اظہار کرتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ اُس نے لعذر کو جلایا اور کہا کہ "جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ ابد تک کبھی نہ مریگا اور گو وُہ مر جائے تو بھی زندہ رہیگا"۔ اور ہم ایمان لا سکتے ہیں کہ قبر ہمارا آخری انجام نہیں ہے۔ کیونکہ ہم مسیح میں ہو کر ابد تک زندہ رہینگے۔

پانچواں سوال

کیا مسیح ابن اللہ تھا؟

خدا کا بیٹا جس نے مجھ سے محبت رکھی اور اپنے آپ کو میرے لئے موت کے حوالہ کر دیا" گلتیوں ۲ : ۲۰)

خدا کی نجات بخش محبت کی چوڑائی اور لمبائی اور اونچائی اور گہرائی کا اور ساری مسیحیت کا لُبِ لباب مقدس پولوس نے مندرجہ بالا فقرے میں بند کر دیا ہے جیسے کہ سورج کا پورا جلوہ شبنم کے قطرے میں منکشف ہوتا ہے۔ ہماری خستہ اور تباہ حال انسانیت کی دو بڑی ضروریات محبت اور معافی ہیں انسان کو دردمندی اور رحم درکار ہے مگر اُسے گناہ کے دھوئے جانے کی بھی ضرورت ہے۔ بنی آدم کا دل محبت کے لئے ترستا ہے مگر دنیا اس کی تمنا کو پورا نہیں کر سکتی۔ تواریخ اور فطرت اور وہ شے جسے ہم تہذیب کہتے ہیں یہ سب اس شخص کی بابت کچھ نہیں جانتے جس نے ہم سے محبت رکھی اور اپنے آپ کو ہمارے لئے موت کے حوالہ کر دیا۔ ان میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے ہمیں پتہ لگ سکتا ہے۔ کہ خدا محبت ہے یا اُس کا کوئی بیٹا ہے جو ہمارے لئے مُوا۔ ہمیں ہر طرف نفسانیت کی نارِ جہنم اور تنازعے اور بے رحمی اور اشکباری اور خونریزی ہی نظر آتی ہے۔ مگر پولوس کہتا ہے کہ "میں جو اب زندگی گذارتا ہوں تو خدا کے بیٹے پر ایمان لانے سے گذارتا ہوں جس نے مجھ سے محبت رکھی اور اپنے آپ کو

میرے لئے موت کے حوالے کر دیا"۔ اور لاکھوں آدمی جو زندگی کے مرحلے میں دُکھ مصیبت اُٹھا کر منزل طے کر چکے ہیں پولوس کے ہم آواز ہو کر یہی کہتے ہیں۔ بحیثیت مسیحی ہونے کے ہمارا ایمان ان تین باتوں پر موقوف ہے یعنے مسیح خُدا کا بیٹا ہے اور اُس نے ہم سے محبت رکھی اور وہ ہمارے لئے مُوا۔ اگر یہ سچ ہے تو ہماری تمام ضروریات پُوری ہو جاتی ہیں۔ گُناہ۔ دُکھ۔ درد۔ رنج و الم جُدائی سخت اذیت اور موت کا زور جاتا رہتا ہے۔ زندگی کا عالم ہی بدل جاتا ہے۔ مشہور شاعر براؤننگ نے اپنی ایک نظم میں مقدس یوحنا کی موت اور آخری الفاظ کا خیالی نقشہ کھینچا ہے جس میں وہ انجیل نویس کہہ رہا ہے۔ کہ "اگر تُو مسیح میں خُدا کا اقرار کرے اور عقل سے باور کرے تو دُنیا کی سب اندرونی اور بیرونی مشکلات حل ہو جائینگی"۔ بلا ریب اگر خُدا مسیح میں تھا اور اُس نے مُجھ سے محبّت رکھی اور اپنے آپ کو میرے لئے موت کے حوالے کر دیا تو سب معمے حل ہو جاتے ہیں اور ساری حاجتیں پُوری ہو جاتی ہیں۔

اَے مسیح تُو ہی مجھے درکار ہے ساتھ ہو گر تُو تو بیڑا پار ہے

لیکن اگر مسیح ابن اللہ نہیں جو ہمارے لئے مُوا تو دُنیا میں دوبارہ ابتری کا طوفان مچ جائیگا۔

جب مَیں نے مقدسوں کی اُس شہادت پر دوبارہ غور کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح خُدا کا بیٹا ہے اور خُدا نے مسیح میں ہو کر اپنے ساتھ دنیا کا میل ملاپ کر لیا تو میرے دِل میں پھر خیال پیدا ہُوا ہے کہ کیونکر ممکن ہے کہ کوئی آدمی جو مسیح کے بارے میں اپنا علم بائبل سے حاصل کرنے کا دعویٰ کرتا ہے (اور سوائے بائبل کے یہ علم کسی اَور جگہ سے حاصل ہو ہی نہیں سکتا) مسیح کو محض ایک انسان تصور کر سکتا ہے؟ مزید برآں کوئی

کلیسیا یسُوع مسیح کو خُدا ماننے کے بغیر کس طرح قائم ہو سکتی ہے؟ اور پھر عہدِ جدید کا کیا حشر ہوگا؟ کس عجیب ترکیب سے خُدا کے بیٹے کو خارج کر کے فقط یسُوع ناصری کو رہنے دیا جائیگا؟ مجھے ایک ہی طریق کا علم ہے یعنے وہی جو ٹامس جیفرسن نے اختیار کیا؟ اُس نے تمام مقامات کو عہدِ جدید میں سے قلمزن کر دیا جن میں مسیح کی الوہیت کا ذکر تھا۔ اُس نے اُن معجزات کو جو مسیح پر یا مسیح کے ذریعہ واقع ہُوئے تھے بلکہ تمام واقعات کو جن سے مسیح کا فوق الانسان ہونا ظاہر ہوتا تھا اُڑا دیا۔ اس تراش خراش کے بعد انجیل کا اختتام ان الفاظ سے ہُوا کہ "وہ ایک بڑا پتھر قبر کے مُنہ پر لُڑھکا کر چلے گئے"۔ اس سے یسُوع کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اگر انجام یہی ہے تو ایک بڑا پتھر دُنیا کی ایک ہی واحد امید کے مُنہ پر لُڑھکا دیا گیا ہے اور یہ عمل کس بنا پر کیا گیا ہے؟ اس کی کوئی بنیاد نہیں کیونکہ عہدِ جدید کا مسیح ہی اکیلا مسیح ہے اور وہ ابن اللہ ہے۔

اس شہادت پر غور کرنے سے اس مضمون کی وسعت پر انسان حیران اور ششدر رہ جاتا ہے مشکل یہ ہے کہ کس کس ثبوت کو پیش کیا جائے اس باب میں مَیں زیادہ تر اُس گواہی کا ذکر کرُونگا جو خود یسُوع نے دی اور پھر مختصر طور پر مسیحی تجربہ کی شہادت پیش کرُونگا جس سے اُسکی تصدیق ہوتی ہے۔

۱۔ مسیح کی گواہی

(۱) ضمنی شہادت۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مسیح نے صاف صاف الفاظ میں یہ کہنے کے بغیر کہ مَیں خُدا یا ابن اللہ ہُوں اُن اعلیٰ صفات یا اختیارات کا دعوےٰ کیا جن کا اطلاق کسی انسان پر نہیں ہو سکتا۔

اُس نے پیش ہستی کا دعوےٰ ان الفاظ میں کیا کہ "پیشتر اُس سے کہ ابرہام
پیدا ہُوا میں ہُوں"۔ "میں آسمان سے اُترا ہُوں"۔ "اے باپ۔ تو اُس
جلال سے جو میں دُنیا کی پیدائش سے پیشتر تیرے ساتھ رکھتا تھا۔ مجھے
اپنے ساتھ جلالی بنا دے" (یوحنا ۸/۵۸ و ۶/۳۸ و ۱۷/۵) اُس نے قادرِ مطلق
ہونے کا دعوےٰ کیا اور فرمایا کہ "زمین اور آسمان کا کُل اختیار مجھے دیا
گیا ہے"۔ اُس نے سہو سے بری ہونے کا دعوےٰ یہ کہہ کر کیا کہ "آسمان
اور زمین ٹل جائینگے لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی"۔ وہ نہ فقط بیخطا
ہونے کا بلکہ خود راستی ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے "راہ حق اور زندگی میں ہُوں"
اُس نے بے گُناہ ہونے کا دعوےٰ کیا۔ اور اپنے دُشمنوں کو للکار کر کہا کہ تُم میں
کون مجھ پر گناہ ثابت کرتا ہے" وہ اپنی ساری خدمت اور تعلیم سے ہمیشہ
ظاہر کرتا تھا کہ وہ گنہگاروں میں شامل نہیں گو وہ اُنہیں تلاش کرنے
اور بچانے آیا تھا۔ اُس نے دعوےٰ کیا کہ وہی اکیلا انسانی رُوح پر حکومت
کرنے کا حقدار ہے اور لوگوں کو بُلایا کہ اپنا سب کُچھ چھوڑ کر اُس کے پیچھے
چلے آئیں۔ اور بڑے زور سے کہا کہ سب سے قریبی رشتہ بھی اُس کی
فرمانبرداری کے راستے میں مزاحم نہیں ہونا چاہیئے۔ مرنے سے پیشتر
وہ اپنے رفیقوں کو اپنے ساتھ عشائیں شریک کرتا ہے اور اس ساکریمنٹ
کو اُنہوں نے اُس کی یادگاری میں ادا کرنا ہے "میری یادگاری کے
واسطے یہی کیا کرو"۔ اُس نے دعوےٰ کیا کہ اُس کا علم خُدا کی بابت خاص
قسم کا ہے جو اَور کسی کو حاصل نہیں۔ چنانچہ اُس نے کہا کہ "کوئی باپ کو
نہیں جانتا سوا بیٹے کے"۔ وہ شاگردوں کے ساتھ بات کرتے ہُوئے لفظ
"تمہارا باپ" کہتا ہے اور اُنہیں سکھاتا ہے کہ اپنی دُعا کے شروع میں

کہیں "اے ہمارے باپ"۔ مگر وہ خُدا کو "میرا باپ" کہکر اپنا جو تعلق باپ کے ساتھ ہے اُس میں شاگردوں کو شامل نہیں کرتا۔

اُس نے حاضر و ناظر ہونے کا دعوےٰ کیا اور رسولوں سے کہا کہ "مَیں دُنیا کے آخر تک ہمیشہ تمہارے ساتھ ہُوں"۔ اُس کا دعوےٰ تھا کہ مَیں گُناہ معاف کر سکتا ہُوں۔ غضب آلودہ فقیہ اور فریسی جن کے احساس کو صدمہ پہنچا تھا۔ اگر اُس کو ابن اللہ نہیں مانتے تھے تو اُن کا یہ کہنا حق بجانب تھا کہ سوا خُدا کے اَور کون گُناہوں کو معاف کر سکتا ہے؟ اُس نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ مَیں تمہیں وہ چیز دیتا ہُوں جو دُنیا نہیں دے سکتی "مَیں اپنا اطمینان تمہیں دیتا ہُوں جس طرح دُنیا دیتی ہے مَیں تمہیں اُسی طرح نہیں دیتا"۔ اپنی خدمت کے شروع ہی سے اُس نے وہی مسیح ہونے کا دعوےٰ کیا جس کی پیشگوئی عہدِ عتیق میں مندرج تھی۔ اب اُس مسیح کے بارے میں خیال کیا جاتا تھا کہ وہ ابن اللہ ہے۔ یہ اُس سوال سے ظاہر ہے جو سردار کاہن نے مسیح کے مقدمے کی پیشی کے وقت اُس سے پُوچھا کہ "اگر تو خُدا کا بیٹا مسیح ہے تو ہم سے کہہ دے"۔ اناجیل میں مسیح ستر مرتبہ سے زیادہ اپنے آپ کو ابنِ آدم کا لقب دیتا ہے۔ اس سے کیا مُراد تھی؟ اگر وہ محض ایک انسان تھا تو یہ الفاظ بے معنی تھے۔ جیسے یہ کہنا کہ ہر ایک آدمی ابنِ آدم ہے کچھ معنی نہیں رکھتا۔ مگر مسیح نے اپنے آپ کو خاص طور پر ابنِ آدم کہا۔ یہ لقب دانیل نبی کی کتاب سے لیا گیا ہے جس میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ اُس کے سامنے جو قدیم الایام ہے اور جو آدم زاد کی مانند آسمان کے بادلوں کے ساتھ آئیگا اور جس کی بادشاہت اور حکومت عالمگیر اور ابدی ہوگی۔ زمین کی قوتیں چکنا چُور ہو جائینگی۔ جب

مسیح اپنے تئیں ابنِ آدم قرار دیتا ہے تو اُس کا یہی مطلب ہے کسی معمولی آدمی کے فرزند پر جو محض ایک آدمی کا بیٹا ہو اِس لقب کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ مگر اُسی پر جو ابن اللہ ہمارا منجی اور خُدا انسان یسُوع مسیح ہے۔

یسُوع دعویٰ کرتا ہے کہ دُنیا کے آخر میں اُس کا حق ہو گا کہ بنی آدم کی عدالت کر کے اُن پر فتویٰ دے۔ وہ یہ حیرت انگیز دعویٰ کرتا ہے کہ اُس کے آگے دُنیا کی سب اقوام جمع ہونگی اور بنی آدم کے مقبول یا ابد تک مردود ٹھہرائے جانے کا انحصار اُس سلوک پر ہو گا جو وہ اُس کے ساتھ کرینگے "چُونکہ تُم نے میرے اُن سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے کسی کے ساتھ یہ کیا اس لئے میرے ہی ساتھ کیا"۔ ان عجیب و غریب دعوؤں یعنی پیش ہستی سہو سے مبرّا ہونے۔ بے گناہی۔ انسانی رُوح پر کامل حکومت کرنے۔ خُدا کا ایسا علم رکھنے جو اوروں کو حاصل نہیں۔ اپنے حاضر و ناظر ہونے۔ گُناہ کے معاف کرنے کا حق رکھنے۔ اپنے آپ کو مسیح اور ابنِ آدم اور زندوں اور مُردوں کا انصاف کرنے والا قرار دینے پر اُس نے اپنی موت سے مُہر کر دی۔ اپنی موت کی جانکنی اور دُکھ کے وقت اُس نے اپنے بھاری دعوؤں کا ایک لفظ واپس لینے یا اس بات کا اقبال کرنے کی طرف اشارہ تک نہ کیا کہ اُس میں کوئی بھُول چُوک یا بدی تھی۔ برعکس اس کے اُس نے اپنے سب دعوؤں کا بار بار نہایت سنجیدہ اور قطعی طور پر ذکر کیا۔ خواہ مسیح کوئی آدمی ہُوا تھا یا نہیں۔ ایک بات کا ہم کو یقین ہے کہ جس مسیح کی سوانح عمری عہدِ جدید میں مندرج ہے۔ اُس نے ایسی منزلت اور قدرت کا دعویٰ کیا جو انسان کا نہیں بلکہ خُدا کا حق ہے۔

(ب) **بلاواسطہ شہادت۔** یسُوع نے نہ فقط الٰہی قدرت اور

رُتبے کا دعوے کیا بلکہ بار بار اور صفائی سے کہا کہ مَیں خُدا یا ابنِ خُدا ہُوں۔
شاید اس کی سب سے مؤثر اور عجیب مثال اُس موقع پر پائی جاتی ہے جب
یسُوع اپنے شاگردوں کو قیصریہ فلپی میں علیحدہ لے گیا اور اُن سے سنجیدگی
سے اور خوب سوچ بچار کر پُوچھا کہ "لوگ ابنِ آدم کو کیا کہتے ہیں"؟ اب وہ
وقت آپہنچا تھا جب اُس کی شخصیت اور منزلت کے بارے میں صاف
صاف اظہار کی ضرورت تھی۔ بعض لوگ خیال کرتے تھے کہ وہ ایلیاہ ہے
بعض کہتے تھے کہ یوحنا اصطباغی مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ پھر اَوروں کا
گمان تھا کہ وہ یرمیاہ یا نبیوں میں سے ایک ہے مگر اُن کو پختہ یقین نہ تھا
کہ کونسا نبی ہے۔ مگر یسُوع نے اس سوال کو محدُود کر کے زور سے پُوچھا کہ "تم
مجھے کیا کہتے ہو"؟ تب پطرس کے مُنہ سے یہ بھاری جواب نکلا کہ "تُو زندہ
مسیح خُدا کا بیٹا ہے"۔ پطرس کے اس اقرار کو مسیح نے بے کم و کاست نہایت
خوشی سے منظور کر کے زور سے کہا کہ "مبارک ہے تو شمعون بریونا۔ کیونکہ یہ
بات گوشت اور خُون نے نہیں۔ بلکہ میرے باپ نے جو آسمان پر ہے تجھ پر
ظاہر کی ہے اور مَیں تجھ سے کہتا ہُوں کہ تُو پطرس ہے اور مَیں اس پتھر پر
اپنی کلیسیا بناؤنگا اور عالمِ ارواح کے دروازے اُس پر غالب نہ آئینگے"۔
خواہ ہم اس پتھر کو رومی کلیسیا کے عقیدے کے مطابق پطرس کی اسقفیت
کا تقرر مانیں یا عام پروٹسٹنٹ خیال کہ پتھر سے مسیح کی مراد پطرس کا اقرار
تھی سب تسلیم کریں گے کہ مسیح ان الفاظ میں نہایت سنجیدہ طور سے اپنے
شاگردوں پر واضح کرتا ہے کہ اُس کے بارے میں بھاری بات یہ حقیقت ہے
کہ وہ ابن اللہ ہے۔ جو کچھ اُس نے اِس موقعے پر بطور پیشگوئی کے کہا وہ
پُورا ہو گیا ہے۔ کلیسیا کی بُنیاد مسیح کے ابنِ اللہ ہونے کی چٹان پر رکھی گئی

ہے اور یہی وجہ ہے کہ عالمِ ارواح کے دروازے اُس پر نہ تو غالب آئے اور نہ کبھی آئینگے +

جب یسُوع نے اُس جنم کے اندھے کی آنکھیں کھولیں اور فقیہوں اور فریسیوں نے اُس شخص کو خارج کر دیا تھا اس سبب سے کہ وہ اپنی بات پر اڑا رہا کہ یسُوع نے اُس کو شفا بخشی ہے تو یسُوع نے نہایت دردمندی سے اُس بیچارے خارج شدہ آدمی سے مل کر اُس سے پُوچھا کہ "کیا تُو خُدا کے بیٹے پر ایمان لاتا ہے؟ اُس نے جواب میں کہا کہ اَے خُداوند وہ کون ہے کہ مَیں اُس پر ایمان لاؤں۔ یسُوع نے اُس سے کہا کہ تُو نے تو اُسے دیکھا ہے اور جو تجھ سے باتیں کرتا ہے وہی ہے۔ اُس نے کہا۔ اَے خُداوند مَیں ایمان لاتا ہُوں اور اُسے سجدہ کیا" +

یسُوع کا صاف صاف اور بار بار خُدا ہونے کا دعوےٰ کرنا اُس کے دُشمنوں کے رویّہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اُس کے انسانی دُشمنوں کی پس پشت رُوحوں کا سب سے بڑا دُشمن ابلیس خود تھا۔ مسیح کی آزمائش کی کیفیّت میں جو خود اُس نے بیان کی ہو گی۔ لکھا ہے کہ شیطان نے مسیح سے کہا کہ "اگر تُو خُدا کا بیٹا ہے تو فرما کہ یہ پتھر روٹیاں بن جائیں"۔ دُوسرے الفاظ میں اس کو یُوں ادا کر سکتے ہیں کہ "تُو خُدا کا بیٹا ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے۔ اگر تُو فی الحقیقت ایسا ہی ہے تو اس معجزے کے ذریعہ اس کو ثابت کر دے"۔ جب یہودیوں نے اُس کی بڑی چُبھنے والی تعلیم اور منادی سے غضب آلود ہو کر اُسے سنگسار کرنے کے لئے پتھر اُٹھائے تو یسُوع نے اُن سے پُوچھا کہ "تُم کس اچھے کام کے سبب مجھے سنگسار کرتے ہو؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ "اچھے کام کے سبب نہیں بلکہ کُفر کے سبب تجھے سنگسار کرتے ہیں اور اس لئے کہ تُو

آدمی ہوکر اپنے آپ کو خدا بناتا ہے"۔ اُس پر اُن کے خاص غصّے کی وجہ یہ تھی کہ وہ خُدا کا بیٹا ہونے کا دعوےٰ کرتا تھا۔ اُس کے خلاف مقدّمے کی پیشی کے دَوران میں جب جھُوٹے گواہ یہودیوں کی مجلس کے آگے یسُوع پر الزام لگانے کے لئے کافی شہادت نہ گھڑ سکے تو سردار کاہن نے ساری جعلی شہادت کو برطرف کر کے فقط ایک بات پر زور دیا۔ اُس نے یسُوع سے صاف سیدھا سوال کیا کہ "مَیں تجھے زندہ خُدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر تُو خُدا کا بیٹا مسیح ہے تو ہم سے کہہ دے۔ یسُوع نے اُس سے کہا تُو نے خود کہہ دیا"

جو شخص اناجیل کو پڑھتا ہے ممکن نہیں کہ اُس کو ہر جگہ مسیح کی اُلوہیت نظر نہ آئے خواہ اُس کے عظیم الشان دعووٗں میں اشارتاً یا صاف صاف الفاظ میں ہو۔ باوجود اس کے ایسے لوگ بھی ہیں جو اُس کو نہ دیکھ سکنے کا بہانہ کرتے ہیں جیسا کہ بیشتر ذکر ہو چکا ہے۔ اس قسم کے تجاہلِ عارفانہ کا وہی ایک طریق ہے جو ٹامس جیفرسن نے اختیار کیا یعنی بائبل میں سے دیدہ و دانستہ اُن مقامات کو قلمزن کیا جن میں مسیح کی الٰہی قدرت اور ذات کی طرف اشارہ ہے۔ اس عمل سے خود مسیح بھی خارج کر دیا جائے گا۔ عبارت کے جو ٹکڑے بچ جائینگے وہ کسی مکمل تصویر کے تیار کرنے کے لئے بھی کافی نہ ہونگے۔

مسیح کی سیرت انسانیّت کا اخلاقی ورثہ ہے۔ صداقت اور خلوص اُس کے چہرے سے درخشاں تھا جیسے ستارے رات کے وقت آسمان کی فضا میں چمکتے ہیں۔ یسُوع نے صاف الفاظ میں یا اشارتاً تعلیم یا معجزات کے ذریعہ اپنے اقوال سے یا اَوروں کی شہادت اور پرستش اور طعن و طنز کو قبول کرنے سے اپنے ابن اللہ ہونے کی گواہی دی۔ اگر وہ خُدا کا بیٹا نہ تھا تو

دھوکے باز آدمی تھا۔ یا وہ خدا تھا اور یا وہ نیک انسان بھی نہ تھا۔ اس کے سوا کوئی تیسری صورت ہو نہیں سکتی +

اگر مسیح اپنے دعوے کے مطابق یا جیسا اُس کے شاگردوں کا اعتقاد تھا اور جس بات کے دعوے کے سبب اُس کے سب دشمنوں نے اُس سے کینہ رکھا اور آخر کار اُسے قتل کر ڈالا۔ خدا کا بیٹا نہ تھا تو بجائے اعلیٰ اُستاد اور سب خوبیوں میں افضل ہونے کے وہ سب سے بھاری سادہ لوح اور تواریخ میں سب سے بڑا عیّار اور دغاباز تھا۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ وہ بے عقل نہ تھا کیونکہ جو شخص ایسی تعلیم دے سکتا ہے اُس کی عقل اس قسم کی ہوگی جس کے برابر دنیا نے کبھی دیکھی نہ تھی۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ جھوٹا یا عیّار نہ تھا۔ کیونکہ ایسا آدمی بے شمار بنی آدم کی سرگرم وفاداری اور محبت پر قابض ہو کر اُسے ہرگز قابو میں نہیں رکھ سکتا تھا +

۲۔ دیگر شہادت

(ا)۔ چار معجزاتِ عظیم اُس کے ابن اللہ ہونے کے شاہد ہیں ان میں سے اوّل کنواری سے پیدائش کا معجزہ تھا۔ کچھ عرصہ سے ہم نے لوگوں کو اس معجزانہ پیدائش کے متعلق نہایت ہلکے پن سے بولتے سُنا ہے۔ گویا یہ ایک ایسی بات ہے جس کو مان لینا محال ہے اور اگر مان بھی لیا جائے تو اُس سے کچھ حاصل نہیں۔ جو لوگ اس طرح باتیں کرتے ہیں شاید اُنہوں نے کبھی بائبل کو پڑھا ہی نہیں۔ جس فرشتے نے اُس جیّد مؤرخ لوقا کے بیان کے مطابق مریم کو خبر دی کنواری سے پیدائش کے بارے میں بظاہر اُس سے مختلف خیال رکھتا تھا۔ چنانچہ اُس نے کہا کہ "رُوح القُدس تجھ پر نازل ہوگا۔

اور خدا تعالیٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالیگی۔اور اس سبب سے وہ مولودِ مقدس خُدا کا بیٹا کہلائیگا"۔مریم کے نزدیک اور بعد ازاں جب اُس نے اس بات کو ظاہر کر دیا تو اوروں کے نزدیک بھی کنواری سے پیدائش اُس کے فرزند کی الٰہی ابنیّت پر شاہد تھی ؛

(ب) پھر تکلم کے دو معجزات وقوع میں آئے۔پہلا معجزہ وہ آواز تھی جو مسیح کے بپتسمے کے وقت جب رُوح القدُس اُس پر کبوتر کی شکل میں اُترا اور یہ آواز سُنائی دی کہ یہ "میرا پیارا بیٹا ہے۔جس سے مَیں خوش ہُوں تم اُس کی سنو"۔ یہی الفاظ اُس پہاڑ پر سُنائی دئے۔جب مسیح کی صُورت تبدیل ہوگئی تھی ؛

(ج) مگر سب سے بڑا معجزہ جس نے مسیح کے ابن اللہ ہونے کے دعوے کو ثابت کر دیا۔اور جس کی شہادت رسولوں نے اپنی منادی میں پیش کی۔اُس کے جی اُٹھنے کا واقعہ تھا۔مقدس پولُوس رُومیوں کی طرف خط کے شروع میں یسُوع مسیح کے بارے میں لکھتے ہُوئے فرماتا ہے کہ وہ "مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے باعث قوّت کے ساتھ خُدا کا بیٹا ثابت ہُوا"۔رسُولوں نے ہر جگہ منادی کی کہ مسیح خُدا کا بیٹا ہے جو دُنیا کا مُنجی ہے اور اس کے ثبوت میں اُنہوں نے اُس کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کی شہادت پیش کی۔یہ نہ فقط ایک بڑا نشان اور عجوبہ ہی تھا بلکہ ایسا واقعہ تھا جس کے بارے میں انبیاء نے پیشگوئی کی تھی۔کہ اُس سے خُدا کی قدُرت ظاہر ہو گی۔یعنی خُدا اپنے قدوس کو سڑنے نہ دیگا۔بلکہ اُسے مُردوں میں سے زندہ کریگا ؛

یہاں گنجائش نہیں کہ شاگردوں اور رسُولوں کی قیمتی شہادت کا بیان کیا جائے کہ اُنہوں نے کیونکر اُسے خُدا کا بیٹا جان کر اُس کی پرستش کی اور

اُس سے دُعا مانگی۔ اُنہوں نے کیونکر اپنی اُمید یں اِس یقین پر قائم کیں کہ وہ خُدا ہے۔ اُنہوں نے اُس کا انکار کرنے کے مقابلے میں اذیت اور موت کو ترجیح دی۔ اور جب وہ مارے گئے تو اُنہوں نے استفنس کی طرح مسیح کو خُدا کی دہنی طرف بیٹھے دیکھا اور پھر اُن کا سارا مستقبل کیونکر اُس آنے والے دن کی اُمید سے منوّر تھا جب وہ پھر آئیگا اور وہ اُس کے ساتھ ابد تک رہینگے۔

اگر یسُوع سے الوہیت لے لی جائے تو باقی کیا رہ جائے گا؟ یقیناً وہ ایسا یسُوع نہیں ہوگا جو انسانی رُوح کی دو بڑی ضرُوریات یعنے محبّت۔ ہاں ابدی محبّت اور معافی کی ضرُورت کو پورا کر سکتا ہے۔ کوئی گھر بیٹھے بیٹھے باتیں بنانے والا فلسفہ دان اس قسم کے قیاسی یسُوع میں دلچسپی رکھتا ہو تو ہو۔ مگر ایسے یسُوع میں وہ بات نہ ہوگی جس سے وہ گُنہگار کی مدد کر سکتا یا اُس کی رُوح کو بچا سکتا ہے۔ اگر یسُوع مسیح انسان اور محض انسان ہو تو اُس میں کوئی ایسی بات نہیں جس کے سبب انسان اُس کی پیروی کرے یا اُس سے لگا رہے۔ اگر مسیح خُدا نہیں تو ہمیں یہ علم حاصل نہیں ہو سکتا کہ خُدا محبّت ہے۔ اگر مسیح خُدا نہیں تو ہمارا کوئی مُنجی نہیں اور ہمارے لئے کوئی معافی نہیں۔ اگر مسیح خُدا نہیں تو انجام موت بلکہ جہنم ہوگا ہم اپنے عزیزوں کو جو اس زندگی میں تھوڑے عرصہ کے لئے ہماری نظروں سے غائب ہو گئے ہیں پھر ہرگز کبھی نہ دیکھینگے۔ دُنیا ویسی ہی تاریک ہوگی جیسی بُت پرست دُنیا مسیح کی آمد کے وقت تھی جب اُمید کا استیصال ہو چُکا تھا۔ لیکن اگر مسیح خُدا ہو تو ہماری ایک چٹان ہے جو ہم سے اُونچی ہے۔ اُس

چٹان کے مقابل زمانہ اور ابدیت کے سارے طوفان برپا ہونگے مگر اُس کا کچھ بگاڑ نہیں سکینگے +

چھٹا سوال

کیا مسیح ہمارے گُناہوں کے لئے مرگیا؟

"مسیح کتاب مقدس کے مطابق ہمارے گُناہوں کے لئے مُوا"۔
(۱۔ کرنتھیوں ۱۵ : ۳)

نجات کے بارے میں اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ اُس کے لئے کفّارے کی ضرورت نہیں۔ ہم مسیح کی موت کے سبب نہیں بلکہ اُس کی تعلیم پر عمل کرنے اور اُس کے نمونے کی پیروی کرنے اور اُس کی مرضی پر چلنے سے بچ جاتے ہیں۔ اِس قسم کے خیالات پروٹسٹنٹ کلیسیا میں عام طور پر پائے جاتے ہیں۔ یہ ایک امر واقعی ہے کہ ہماری پروٹسٹنٹ کلیسیاؤں میں دو قسم کی مسیحیت کی منادی ہوتی اور تعلیم دی جاتی ہے۔ ایک تو اعلےٰ تصوّرات اور القا اور نیک اعمال کی مسیحیت ہے۔ مسیح کو بطورِ اُستادِ عظیم اور نمونہ اور القا پیدا کرنے والا اور ہادی کے پیش کیا جاتا ہے بعض کے نزدیک وہ ربانی ہے۔ بعض اُس کو محض انسان سمجھتے ہیں۔ گو وہ اُسے انسانیّت کا گلِ رعنا تصور کرتے ہیں تو بھی یہ مسیح کی تعلیم اور تلقین کی مسیحیّت ہے جس کے پیرو اگر لفظ نجات استعمال کرتے ہیں تو اُس کا مفہوم مذکورہ تصوّر سے بڑھ کر نہیں ہوتا۔ دوسری قسم کی مسیحیّت نجات کی مسیحیت ہے۔ انسان گنہگار اور خُدا کی شریعت کی رو سے مُلزم ہے۔ وہ اپنی کسی کوشش

ے بچ نہیں سکتا۔ لیکن خُدا نے اپنے اکلوتے بیٹے یسُوع مسیح کو بھیجا تاکہ انسان کے لئے اور انسان کے بدلے اُس کا عوضی ہو کر مرے۔ مسیح کو نجات دہندہ مان کر انسان معافی حاصل کرتا ہے۔ اُس کے گُناہ کا جُرم اور داغ دھویا جاتا ہے اور وہ خُدا کے خاندان میں بحال کیا جاتا ہے۔ اوّل قسم کی مسیحیت کی رو سے مسیح کی موت محض ایک واقعہ ہے گو وہ رقت انگیز اور دلکش واقعہ ضرور ہے اور نجات کی مسیحیت میں مسیح کی موت ایک بڑی بھاری صداقت ہے جو مسیحی مذہب کی باقی تمام صداقتوں کا مرکز ہے۔ تو بھی یہ ایک واقعہ ہے جو اپنی اہمیت میں ازلی اور اپنے اطلاق میں عالمگیر ہے۔ نجات کی مسیحیت کی مُنادی میں مسیح کی موت وہی پایہ رکھتی ہے جو مقدس پولوس کے اُن الفاظ سے ظاہر ہے۔ جو اُس نے کرنتھی مسیحیوں کی طرف لکھتے ہوئے استعمال کئے یعنی "میں نے سب سے پہلے تم کو یہی سونپا کہ مسیح کیوں کر ہمارے بدلے نوشتوں کے بموجب مر گیا" اگر تم مسیح کی موت کو تعلیمی مسیحی سے لے لو تو اُسے کچھ اضطراب نہ ہوگا۔ کیونکہ مسیح کی تمثیلیں اور کلمات اُس کے پاس باقی رہ جائینگے۔ اُس کے مذہب میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ لیکن اگر تم اُس موت کو نجات کے مسیحی سے لے لو تو تم نے اُس سے سب کچھ لے لیا۔ مسیح مصلوب ہی اُس کی واحد اُمید ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو گنہگار سمجھتا ہے اور ایک ایسے مُنجی کی ضرورت محسوس کرتا ہے جو اُس سے برتر ہے اور اُس کی اور کوئی اُمید نہیں ہے سوائے مسیح کے جو اُس کے گُناہوں کے لئے مصلوب ہوا۔

بلا لحاظ مختلف فرقوں کے نام اور تقسیم کے اس وقت پروٹسٹنٹ مسیحیوں کے اصلی تفرقے کی بنیاد یہی ہے۔ جس کا ابھی بیان ہو چکا ہے

یعنی فقط دو فریق ہیں ایک تو مسیحیت کو تعلیم اور الفا کا مذہب ماننے والا اور دُوسرا جو اُس کو گنہگاروں کی نجات کا مذہب سمجھتا ہے یا دُوسرے الفاظ میں ایک فریق مسیح کو ہادی اور اُستاد اور نمونہ جان کر اُس کی پیروی کرتا ہے اور دُوسرا اُس کو منجی مان کر اُس پر بھروسا رکھتا ہے۔ اب مَیں یہ دکھاؤنگا کہ نجات کی مسیحیت ہی حقیقی مسیحیت ہے اور فقط ایک ہی حقیقی تواریخی مسیح ہے یعنی وہ جو کلوری کی صلیب پر ہمارے لئے مر گیا *

۱۔ رسولوں کی مسیحیت یہی ہے کہ مسیح ہمارے گناہوں کے لئے مر گیا *

ہمارے خُداوند نے اپنی موت سے پیشتر اور جی اُٹھنے کے بعد ساری دنیا میں اپنی انجیل کی منادی کئے جانے کی تدبیر کی۔ اناجیل میں یہ نہیں لکھا کہ رسُولوں نے کیونکر اور کیا منادی کی لیکن رسولوں کے اعمال اور عہدِ جدید کے دیگر صحائف میں صاف اور صریح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ رسولوں نے کس بات کی منادی کی اور مسیحی کلیسیا کس قسم کی بنیاد پر قائم ہے۔ اس پر زیادہ وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ جو شخص اعمال کی کتاب اور خطوط اور مکاشفہ کو پڑھیگا اس حقیقت کو بہت جلد اور آسانی سے معلوم کر لیگا *

(لو)۔ مقدس پطرس کی گواہی۔ ابتدائی کلیسیا کا سرکردہ آدمی پطرس تھا۔ جب مسیح دُشمنوں کے ہاتھ میں حوالے کیا گیا اور صلیب پر مارا گیا تو اُس وقت پطرس سب سے کمزور اور نہایت کم اعتقاد آدمی تھا مگر جب وہ یسوع کے جی اُٹھنے کے بعد معاف اور بحال کیا گیا تو بڑا بھاری

ہادی اور کلیسیا کی آواز بن گیا۔ اعمال کی کتاب کے اوّل چند صفحات میں پطرس کے پنتیکوست والے موثّر وعظ کا خاکہ موجود ہے۔ جس کا لُبِ لباب یہ ہے کہ یسُوع ناصری جسے یہودیوں نے مصلوب کیا یعنی خرستس۔ "خُدا کا بیٹا" اور وہ مسیح تھا۔ جس کے بارے میں انبیاءؑ نبوّت کر گئے تھے۔ وہی بنی آدم کا منجی اور عدالت کرنے والا مقرر کیا گیا۔ اس لئے آدمیوں کا ہر کہیں فرض ہے کہ اپنے گُناہوں سے توبہ کر کے اُس پر ایمان لائیں۔ اس طرح وہ اپنے گُناہوں کی مغفرت حاصل کرینگے۔ جہاں کہیں پطرس نے وعظ کیا اُس نے یہی پیغام دیا کہ یسُوع ہی مسیح خُدا کا بیٹا ہے۔ وہ قتل کیا گیا اور اب بنی آدم اُس پر ایمان لا کر گُناہوں کی معافی پا سکتے ہیں۔ ان اوّل وعظوں میں وہ صراحتاً یہ نہیں کہتا کہ مسیح کی موت کے سبب بنی آدم کے گُناہ بخشے جائینگے۔ مگر وہ ضرور اس بڑی حقیقت کا بیان کرتا ہے کہ مسیح کے ذریعہ گُناہوں کی معافی حاصل ہوتی ہے اور معافی عطا کرنا ہی مسیح کا بڑا کام ہے۔ اور اپنے سامعین پر یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اُنہیں گُناہ کی معافی کی ضرورت ہے وہ اُن لوگوں کو جنہوں نے جلال کے خُداوند کو صلیب پر چڑھا کر مار ڈالا تھا۔ مجرم اور گُناہ کا مرتکب قرار دیتا ہے ✦

چُونکہ پطرس اپنے اوّلین وعظوں میں صاف صاف نہیں کہتا کہ مسیح کی موت کے ذریعہ معافی حاصل ہوتی ہے جس سے بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ پطرس مسیح کی موت کے فقط سات ہفتوں کے بعد کفارے کے مسئلہ یا مسیح کی موت کے ذریعہ گُناہ کی معافی کا کچھ علم نہیں رکھتا تھا۔ مگر پطرس اُن یہودیوں سے مخاطب تھا جن کو اُن کی مذہبی تعلیم اور روایت نے یہ سکھایا تھا کہ بغیر خُون بہائے گُناہ کی معافی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر کسی

کو شبہ ہو کہ پطرس مسیح کے ذریعہ معافی کی بنیاد کس کو قرار دیتا ہے تو یہ شبہ
اُس کے پہلے خط سے رفع ہو جاتا ہے ۔ اُس اعلیٰ تحریر میں پطرس یسُوع مسیح
کے اُن ایمان داروں کو جو اذیت اُٹھا رہے تھے تسلّی اور ہمت دلاتا ہے ۔ وہ
اُنہیں زندہ اُمید اور ایک غیر فانی اور بے داغ اور لازوال میراث کے بارے
میں جو آسمان پر اُن کے لئے محفوظ ہے یاد دلاتا ہے ۔ مگر وہ کونسی بات ہے
جو وہ اُن کا حوصلہ بڑھانے اور آخر تک قائم رہنے کی غرض سے کہتا ہے؟
پطرس تین سال تک مسیح کا ہم صحبت رہا اور اُس کے ساتھ غیر معمولی بے تکلفانہ
تعلق رکھتا تھا ۔ اُس کو مسیح کے بہت سے تسلّی بخش کلمات اور رحمدلی کے کام
یاد ہونگے جو اُن مصیبت زدہ مسیحیوں کے مناسب حال تھے ۔ قیاس کہتا ہے ۔
کہ وہ چند ایسے کلمات اور کاموں کی طرف اشارہ کرتا ۔ مگر اُس نے ایک لفظ
تک نہ کہا ۔ ایک ہی بڑا واقعہ جو وہ اُن ستم رسیدہ ایمان داروں کے
آگے پیش کرتا ہے یہ ہے کہ مسیح اُن کے گُناہوں کے لئے مُوا ۔ وُہ اُن کو
فرمانبردار رہنے کی نصیحت کرتا ہے یہ یاد دلا کر کہ اُن کی خلاصی غُلاموں کی
طرح (اگر بعض اُن میں سے غُلام تھے) سونے چاندی کے ذریعے سے نہیں
ہُوئی بلکہ مسیح کے بیش قیمت خُون سے ہُوئی ہے ۔ اگر بعض بے قصُور ہو کر
بے انصافی سے دُکھ اُٹھاتے ہیں تو اُن کو تکلیفوں کی برداشت کرنی چاہیئے
یہ جان کر کہ مسیح نے بھی بے گناہ ہو کر دُکھ اُٹھایا ۔ وہ نہ اپنے گُناہوں کے لئے
بلکہ ہمارے گُناہوں کے لئے صلیب پر مر گیا ۔ "وہ آپ ہمارے گُناہوں کو
اپنے بدن پر لئے ہُوئے صلیب پر چڑھ گیا ۔ تاکہ ہم گُناہوں کے اعتبار سے مر کر
راستبازی کے اعتبار سے جئیں" ۔
نہ فقط پطرس بلکہ سارے رسول بھی جن کے الفاظ نئے عہد نامے

میں پائے جاتے ہیں جب کبھی لوگوں کو اس زندگی میں اپنے فرائض ادا کرنے اور مسیحی خوبیوں کو اختیار کرنے کی تاکید کرتے ہیں تو کبھی ہمارے خداوند کے اقوال کا حوالہ نہیں دیتے حالانکہ وہ اُن میں سے اقتباس کر سکتے تھے۔ بلکہ وہ قریباً ہمیشہ مسیحی فرائض کے ادا کرنے کی غرض اور مسیحی اُمید کی تقویت مسیح کی موت اور اذیت میں پاتے تھے۔ کیا وجہ ہے کہ وہ مسیح کی دلیری اور پاکیزگی اور حکمت اور رحمدلی کا ذکر نہیں کرتے جن پر آج کے واعظ زور دے رہے ہیں ؟ اس کا سبب یہ تھا کہ گو وہ مسیح کے ساتھ رہے تھے مگر گزرے ایام اور آئندہ کا جو واقعہ ہر وقت اُن کی نظر کے آگے تھا وہ یہی تھا کہ اُس کی موت دُنیا کے گناہوں کے لئے تھی اور وہ ہمارے گناہوں کے لئے مر گیا +

(ب) **مقدس یوحنا کی گواہی**۔ ہم چوتھی انجیل میں یوحنا کی تعلیم کو نظر انداز کرینگے کیونکہ اُس میں زیادہ تر مسیح کی اپنی گواہی مندرج ہے۔ یوحنا اپنے پہلے خط میں اپنے اعتقاد کو واضح کر دیتا ہے کہ انسان گنہگار ہے اور اُسے نجات دہندہ کی ضرورت ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ ساری دُنیا گناہ میں پڑی ہوئی ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ مَیں بے گناہ ہُوں تو وہ جھوٹا ہے اور اُس میں سچائی نہیں وہ یہ بھی سکھاتا ہے کہ جب کوئی اپنے گناہوں کا اقرار کرے خدا اُس کو معاف کرتا ہے۔ اس پر وہ خاص مسیحی پیغام بھی ایزاد کرتا ہے کہ مسیح اور اُس کی موت کا گناہ کی معافی کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ خدا کے بیٹے یسوع کا خون ہمیں تمام گناہ سے پاک کرتا ہے اور انسان کے لئے خدا کی محبت کی تشریح اور ثبوت اور پیغام مسیح کی موت میں پایا جاتا ہے۔ "محبت اس میں نہیں کہ ہم نے خدا سے

محبت کی بلکہ اس میں ہے کہ اُس نے ہم سے محبت کی اور ہمارے گناہوں کے کفارے کے لئے اپنے بیٹے کو بھیجا"۔ مکاشفہ کی کتاب میں گو بہت کچھ دُھندلا ہے مگر اُس برے کی صورت جو بنی آدم کے گناہوں کے لئے ذبح ہُوا صاف اور بلند وبالا اور عظیم الشان اور واضح طور پر نظر آتی ہے۔ جن شریروں نے برے کے غضب کو حقیر جانا پہاڑوں اور چٹانوں سے التجا کرتے ہیں کہ ہم پر گر پڑو اور ہمیں چھپا لو۔ اور خلاصی یافتہ مقدس جو بڑی مصیبت سے نکل کر آئے اور جنہوں نے اپنے جامے برے کے خون سے دھو کر سفید کئے ہیں اُس برے کی حمد اور عزت کے گیت بلند آواز سے گاتے ہیں ÷

(ج)۔ **عبرانیوں کے نام کا خط**۔ یہ فیصلہ نہیں ہُوا کہ اس خط کا لکھنے والا کون ہے۔ مگر اُس کے مضمون کی بابت کوئی جھگڑا نہیں۔ کیونکہ اس کا واحد خیال جو مختلف طور پر مشرح اور واضح کیا گیا ہے یہ ہے کہ مسیح بنی آدم کا بڑا سردار کاہن ہے۔ جس نے اپنے آپ کو ازلی رُوح کے وسیلے خدا کے سامنے ہمارے گناہوں کے لئے قربان کر دیا۔ اُس کی قربانی ولیسی نہ تھی جو اسرائیلی سردار کاہن کفارے کے روز گذرانا کرتے تھے۔ بلکہ وہ ایک ہی دفعہ گذرانی گئی اور کبھی دُہرائی نہیں جا سکتی ÷

(د)۔ **مقدس پولوس کی گواہی**۔ یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ پولوس نے مسیح کی موت کے بارے میں کیا تعلیم دی۔ اُس کی تعلیم میں مسیح کی موت جو ہمارے گناہوں کے کفارہ کے لئے تھی جس پایہ پر ہے اُس کا ایک عجیب ثبوت یہ ہے کہ آج کل جو لوگ مسیحیت کو مسیح کی موت کے ذریعہ نجات کا مذہب نہیں مانتے اُن کی خاص کوشش یہ ہے کہ مسیحیت کے اس خیال کو یہ کہہ کر بدنام کریں کہ یہ مسیح کا تصور نہیں بلکہ مقدس پولوس

کا ہے۔ مقدس پولوس کی تحریروں میں جہاں دیکھو صلیب کا ذکر پایا جاتا ہے جہاں کہیں وہ جاتا تھا اُس نے ٹھان لیا تھا کہ لوگوں کے درمیان یسوع مسیح بلکہ مسیح مصلوب کے سوا اور کچھ نہ جانیگا۔ اُس نے سب سے پہلے لوگوں کو وہی بات پہنچادی کہ مسیح کتاب مقدس کے مطابق ہمارے گناہوں کے لئے مؤا۔ وہ سوا صلیب کے اور کسی چیز پر فخر نہیں کرتا تھا۔ انسان کی طرف خدا کی بڑی محبت کا ثبوت پولوس کے لئے وہی تھا جو یوحنا کے لئے تھا۔ یعنی "خدا اپنی محبت کی خوبی ہم پر یوں ظاہر کرتا ہے کہ جب ہم گنہگار ہی تھے تو مسیح ہماری خاطر مؤا"۔ اگر ہم اُس وسیع دل کو کھول سکتے جسے خرسسٹم دنیا کا دل قرار دیتا ہے تو ہم اُس پر یہ الفاظ منقش دیکھتے کہ "خدا کا بیٹا جس نے مجھ سے محبت رکھی اور اپنے آپ کو میرے لئے موت کے حوالہ کر دیا"۔

اس مختصر خاکہ میں ہم نے دیکھا ہے کہ جن آدمیوں نے دنیا میں کلیسیا قائم کی اُن کی منادی میں مسیح کی موت کا جو ہمارے گناہوں کے لئے تھی کیا پایہ تھا۔ اس لئے جب ہم اُن لوگوں کی باتیں سنتے یا اُن کی تحریرات کو پڑھتے ہیں۔ جو آج کے دن بظاہر مسیحیت کا مطلب پطرس اور پولوس اور یوحنا سے بہتر سمجھتے ہیں اور جو ہم سے کہتے ہیں کہ یہ الفاظ یعنی مسیح ہمارے گناہوں کے لئے مؤا کچھ اور ہی معنی رکھتے ہیں تو ہم یاد رکھیں کہ خواہ یہ آدمی کیسے ہی ہوشیار اور عالم ہوں اور خواہ بہت سی خلقت اُن کی پیرو ہو اور جیسے کہ لوگ ہیرودیس کی تقریر کو سن کر پکار اُٹھے تھے کہ "یہ تو خدا کی آواز ہے نہ انسان کی"۔ لوگ اب بھی اُن کی تعریف میں رطب اللسان ہوں اس قسم کی منادی سے کلیسیا دنیا میں قائم

نہیں ہُوئی اور وُہ قائم بھی ایسی مضبُوطی سے ہُوئی ہے کہ صدیوں کے طوفان اُسے ہلا نہیں سکے۔ جس منادی سے مسیحیت دُنیا میں قائم ہُوئی ہے وہ صلیب کی اور مسیح کی موت کے ذریعے سے گُناہ کی معافی کی منادی تھی۔

۲۔ مسیح کی گواہی

ہم دیکھ چُکے ہیں کہ اس سوال کے جواب میں کہ کیا مسیح ہمارے گُناہوں کے لئے مُوا رسُولوں نے کیا کہا۔ اب یہ دیکھیں کہ خود یسُوع نے اس کا کیا جواب دیا۔ کیا اُس کا بھی وہی جواب ہے جو رسُولوں نے یعنی پطرس اور پولوس اور یوحنا نے دیا ہے سب باتوں کا دارومدار اسی پر ہے۔

(ا) اناجیل میں جو فوقیت مسیح کی موت کے بیان کو دی گئی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسیح کے کلمات اور رویہ میں کوئی ایسی بات نہ ہوتی جس سے انجیل نویسوں پر ثابت ہو جاتا کہ اُس کی موت ہی وہ بڑا واقعہ ہے جس کے مقابلے میں اور سب کچھ بطور معاون کے ہے تو وہ کبھی اس بیان کو اپنی تصنیف میں اس قدر جگہ نہ دیتے۔ مسیح کی پیدائش۔ اُس کی آزمائش۔ اُس کی تبدیلِ صُورت عشائے ربّانی بلکہ مسیح کے آسمان پر صعود کر جانے کا بیان بھی ایک یا زیادہ اناجیل میں موجود نہیں۔ مگر مسیح کی مَوت کا حال سب انجیلوں میں مفصّل طور پر مندرج ہے۔

(ب) اپنی موت کے بارے میں مسیح کے کلمات چاروں انجیلوں کی اس متفقہ اور مفصّل شہادت کی قدرتی تشریح ہیں ۔ یا دُوسرے الفاظ میں جو کچھ یسُوع نے اپنی موت کی بابت کہا اُس کے بعد

یہ قدرتی تھا کہ جن اشخاص نے اُس کی زندگی کے حالات قلمبند کئے اُس کی موت کو فوقیت دیتے۔ پہلی فسح کے وقت اُس نے کہا کہ " اس مقدس کو ڈھادو تو مَیں اُسے تین دن میں کھڑا کر دُونگا "۔ اِس ہیکل سے مُراد اُس کا بدن تھا۔ چند روز کے بعد اُس نے نیکدیمس سے کہا کہ " جس طرح موسٰی نے سانپ کو بیابان میں اُونچے پر چڑھایا۔ اُسی طرح ضرور ہے کہ ابنِ آدم بھی اُونچے پر چڑھایا جائے "۔ جب یہُودیوں نے اُس سے نشان طلب کرنے پر اصرار کیا تو اُس نے کہا کہ جس طرح یُونس مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابنِ آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا۔ اور اچھے چرواہے کی تمثیل میں اور پھر اُن باغبانوں کی تمثیل میں جنہوں نے بیٹے کو جو وارث تھا کیونکر قتل کیا اُس نے اپنی آنے والی موت کی طرف اشارہ کیا۔ اسی طرح جب مریم نے جٹاماسی کا خالص اور قیمتی عطر مسیح کے سر اور پاؤں پر ڈالا اور اُس کے شاگردوں نے اس بات کے لئے اُس کو ملامت کی تو مسیح نے نہایت نرمی سے اُن کو صلاح دی کہ اُسے چھوڑ دیں کیونکہ اُس نے وہ عطر اُس کے دفن کے دن کے لئے رکھا تھا۔ جب یُونانی اُسے دیکھنے آئے تو اُس نے خُوشی اور دہشت کے اندرونی تلاطم سے متأثر ہو کر بلند آواز سے کہا کہ " میں اگر اُونچے پر چڑھایا جاؤں تو سب کو اپنے پاس کھینچونگا "۔

جس پہاڑ پر مسیح کی صورت تبدیل ہو گئی اُس پر وہ موسٰی اور ایلیاہ سے اپنے انتقال کی بابت باتیں کرتا تھا جو یروشلیم میں واقع ہونے کو تھا۔ اپنی موت کی طرف اُس کے اشارات صرف بعض خاص موقعوں پر یا اتفاقیہ ہی نہ تھے۔ کیونکہ کم از کم تین انجیل نویس بیان کرتے ہیں کہ اُس نے نہایت صاف صاف اور غور و فکر کے بعد یقینی طور پر شاگردوں کو اپنی موت اور

اُس کے واقع ہونے کے طریق کی بابت سکھایا۔ یعنی کہ وہ یہودی حاکموں کے ہاتھ میں پکڑوایا جائیگا جو اُسے غیر قوموں یعنی رُومیوں کے حوالے کر دینگے۔ اور وہ اُسے صلیب پر چڑھا کر مار ڈالینگے۔ اس تعلیم کا آغاز مسیح نے اپنی خدمت کے اُس بھاری موقعہ پر کیا جب پطرس نے علانیہ طور پر اقرار کیا کہ تُو زندہ خُدا کا بیٹا مسیح ہے۔" اُس وقت سے یسُوع اپنے شاگردوں پر ظاہر کرنے لگا کہ مجھے ضرور ہے کہ یروشلیم کو جاؤں اور بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں کی طرف سے بہت دُکھ اُٹھاؤں اور قتل کیا جاؤں اور تیسرے دن جی اُٹھوں"۔ (متی ۱۶: ۲۱) "تمہارے کانوں میں یہ باتیں پڑی رہیں کیونکہ ابن آدم آدمیوں کے ہاتھ میں حوالہ کئے جانے کو ہے"۔ (لوقا ۹: ۴۴)

(ج) **اپنی موت کی طرف مسیح کا انداز**۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ اُس نے اس کی بابت کیا کہا بلکہ یہ کہ اُس کی نسبت اُس کا احساس کیا تھا تین نظیریں پیش کی جائینگی کہ اپنی موت کی طرف مسیح کے احساس کی گہرائی اور خصوصیت کیا تھی:-

(۱) **پطرس کی طرف اُس کا رویّہ**۔ جب پطرس نے اقرار کیا کہ تُو خُدا کا بیٹا مسیح ہے اور یسُوع نے اپنے رد کئے جانے اور مصلوب ہونے کا ذکر شاگردوں سے کیا تو پطرس نے یہ خیال کر کے کہ اس قسم کی موت خُدا کے بیٹے کے لئے ناممکن ہے پکار کر کہا۔ کہ "اَے خُداوند۔ خُدا نہ کرے۔ یہ تجھ پر ہرگز نہیں ہونے کا"۔ مگر یسُوع نے اُس سے کہا "اَے شیطان میرے سامنے سے دُور ہو۔ تو میرے لئے ٹھوکر کا باعث ہے۔ کیونکہ تُو خُدا کی باتوں کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا خیال رکھتا ہے"۔ ابھی ابھی یسُوع نے اُس کے اقرار کے لئے برملا اُس کو مبارک کہا تھا اور اُس کی تعریف کی تھی۔ اور

اب وہ اُسی آدمی کو سخت ملامت کرتا ہے۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ اُس کی آنے والی تصلیب اور موت اُس کے لئے دہشت انگیز حقیقت تھی اُس میں وہ اپنی میل کرانے کی خدمت کا عروج دیکھتا ہے اور جو کوئی اُس کو اُس سے باز رہنے کی ترغیب دیتا ہے وہ اُس کا اور بنی آدم کا دُشمن ہے۔

(۲) **یونانیوں کی طرف اُس کا رویہ**۔ جب اُس نے پہلے پہل سُنا کہ یُونانی اُسے دیکھنے آئے ہیں تو وہ رُوح میں خُوش ہُوا کیونکہ اُسے صلیب کی آئندہ فتوحات نظر آنے لگیں اور اُس نے کہا "وہ وقت آگیا کہ ابن آدم جلال پائے"۔ لیکن جب اُسے خیال آیا کہ اُس کو کیا قیمت ادا کرنی پڑیگی۔ "وہ رد کیا جائیگا۔ اُسے ذِلّت اور موت کا سامنا کرنا ہوگا" تو اُس نے پُکار کر کہا کہ "اے باپ مجھے اس گھڑی سے بچا"۔ اس گھڑی میں جو اُس کے جلال کی گھڑی ہونے والی تھی یعنی اُس کی مَوت کی گھڑی جو ہولناک اور کُچل ڈالنے والی تھی۔

(۳) **گتسمنی میں اُس کی حالت**۔ کیا سبب ہے کہ مسیح نے استقلال کے ساتھ اور سخت درد کے اظہار کے بغیر اپنی موت کا سامنا نہ کیا جیسے سقراط اور اور بہت سے بڑے بڑے آدمیوں نے کیا تھا جو بے رحمی اور درد انگیز طور سے بلا قصور قتل کئے گئے۔ باغ گتسمنی کے اُس عجیب منظر کا اور سوتے ہُوئے شاگردوں سے رِقّت انگیز طور پر مگر بے سُود ہمدردی طلب کرنے کا۔ اُس جانکنی کا جس سے اُس کی پیشانی پر خُون کا پسینہ بہنے لگا اور اُس کی الحاح اور زاری کا کہ "اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے"۔ ایک ہی جواب اور ایک ہی راز ہے یعنی یہ کہ مسیح جسمانی مَوت اور اُس کے بے رحم اور تاریک لوازمات سے جھجکتا نہ تھا۔ بلکہ اُس مَوت

سے جو گُناہ کا نتیجہ تھی جس سے کبھی کوئی انسان اب تک نہ مرا تھا یہ حیرت انگیز جانکنی ایک ایسے شخص کی تھی جس کی رُوح گُناہ کے لئے قربان ہونے کو تھی۔ ہاں وُہ ایک ایسا آدمی تھا جو گُناہ سے واقف نہ تھا اور خُدا کا پیارا بیٹا تھا۔

(د)۔ اُس کا کلیسیا کو دیا ہُوا یادگار۔ اُس نے شاگردوں کو اپنی باتوں سے اور نیز اپنی موت کی طرف عجیب اور ہولناک رویّہ سے سکھایا کہ اس کی موت اُس کی انجیل میں ممتاز درجہ رکھتی ہے۔ اور یہ موت گناہ کے لئے تھی۔ یعنی اُس نے ہمارے لئے گناہ کا جرم اور سزا اُٹھائی۔ لیکن مبادا کسی قسم کی بھُول یا اعتقاد میں کوتاہی ہو یسُوع نے شاگردوں کو اور اُنہیں جو اُن کے ذریعہ اُس پر ایمان لانے والے ہیں عشائے ربانی کی عُمدہ یادگاری کی یہ رسم زمانے کے آخر یعنی اس کی دوبارہ آمد تک عمل میں لانی تھی۔ جب اُس نے روٹی توڑی تو فرمایا کہ "یہ میرا بدن ہے جو تمہارے واسطے دیا جاتا ہے" اور جب اُس نے اُن کو پیالہ دیا تو کہا "تم سب اُس میں سے پی لو۔ کیونکہ یہ عہد کا میرا وہ خُون جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے" اناجیل میں عشائے کے مقرر کئے جانے کے تین بیانات مندرج ہیں اور ایک بیان پولُس کی تصانیف میں ہے۔ ہر ایک بیان میں مسیح کے ٹھیک الفاظ میں تھوڑا فرق ہے۔ مگر اس ایک اصولی خیال کے قائم رکھنے میں سب ہم آواز ہیں کہ وُہ اوروں کے لئے جو گُناہگار ہیں مر گیا۔ مسیح نے بڑے بڑے معجزات دکھائے مگر اُس نے کبھی نہ کہا کہ یہ معُجزہ گُناہوں کی معافی کے لئے دکھایا گیا ہے۔ اُس نے بہت سے وعظ کئے مگر وعظ کے خاتمے پر کبھی نہ کہا کہ یہ وعظ گناہوں کی معافی کے لئے کیا گیا ہے۔ پہاڑ پر اُس کی صُورت تبدیل ہو گئی مگر وُہ بھی گُناہوں کی معافی کے لئے نہ تھی۔ جب شیطان نے اُسکی آزمائش کی تو اُس نے نہ کہا کہ یہ گُناہوں

کی معافی کے لئے ہے۔ مگر اُس نے یہ ضرور کہا کہ میری موت گناہوں کی معافی کے واسطے ہے۔

پس مندرجہ عنوان سوال کا کہ کیا مسیح ہمارے گناہوں کے لئے مر گیا یہی جواب ہے کہ خُداوند یسُوع نے اپنے اقوال اور اپنی زاری اور آنسوؤں اور اس ساکرمنٹ کے ذریعہ جو اُس نے اپنی کلیسیا کو دیا اور اپنی تعلیم سے جو اُس نے اپنے جی اُٹھنے کے بعد رسولوں کو دی یہ بتایا کہ اُس کی مَوت ہمارے گناہوں کے لئے ہے۔ اُس کے رسُولوں نے بھی دُنیا میں یہی مُنادی کی اور اسی صداقت پر اُنہوں نے کلیسیا قائم کی مسیحیت سوائے صلیب کے اَور کچھ نہیں جانتی بجز صلیب کے اور ہمارے گناہوں کے لئے مسیح کی مَوت کے بغیر کوئی مسیحیت نہیں صلیب کو خارج کردو تو مسیحیت کا نغمہ زائل ہو کر ہیبت ناک سناٹا چھا جائیگا اور اُس کا جلوہ بے آب ہونے سے ظلمت طاری ہو جائیگی۔ خُدا کا بیٹا جو ہمارے گناہوں کے لئے صلیب پر چڑھا وہی ہماری اُمید ہے۔ وہی ہر حالت اور ہر درجہ کے آدمی کے بچانے پر قادر ہے۔ ضرور نہیں کہ ہم اُس پر ایمان لانے میں اس سبب سے توقف کریں کہ یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ راستباز آدمی کی مَوت کے ذریعہ ناراست کی معافی کیونکر ہو سکتی ہے۔ پولُس اور یوحنا اور پطرس اُس کو نہیں سمجھتے تھے مگر باوجود اس کے یہی ان کا ایمان تھا اور اسی کی وہ منادی کرتے تھے۔ ہمیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایمان لاؤ۔ "اور جس طرح موسٰی نے سانپ کو بیابان میں اُونچے پر چڑھایا اُسی طرح ضرور ہے کہ ابنِ آدم بھی اُونچے پر چڑھایا جائے۔ تاکہ جو کوئی ایمان لائے اُس میں ہمیشہ کی زندگی پائے"۔

ساتواں سوال

کیا مسیح مُردوں میں سے جی اُٹھا؟

اُنھوں نے اندر جاکر خداوند یسوع کی لاش نہ پائی" (لوقا ۲۴: ۲)

کسی نے کبھی اُس لاش کو نہ پایا۔ یسوع کی قبر اب تک خالی پڑی ہے رینن رقمطراز ہے کہ "مؤرخ کے لئے مسیح کی سوانح عمری اُس کے آخری دم کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے"۔ مگر مسیحی کی زندگی مسیح کے جی اُٹھنے کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔ وہ خالی قبر کلیسیا کا پالنا بن گئی۔ اگر اُن عورتوں کو جو صبح سویرے قبر پر آئیں یا اُن شاگردوں کو جو اُن کے بعد آئے یسوع کی لاش قبر میں یا کہیں اَور مِل جاتی تو مسیحی کلیسیا کبھی قائم نہ ہوتی۔

مسیح کا جی اُٹھنا ایک ایسا واقعہ ہے جو رُوحانی معنے رکھتا ہے۔ باوجود اس کے وہ امرِ واقعی ہے اس لئے ضرور ہے کہ اُس کی تفتیش کی جائے اور قوانین شہادت کے مطابق اُس کی جانچ پڑتال کی جائے۔ اس سوال کے جواب میں کہ کیا مسیح مُردوں میں سے جی اُٹھا ہم اُس کی قیامت کے واقعہ کی شہادت پیش کریں گے۔ اوّل ہم یہ دکھائیں گے کہ مسیح کے جی اُٹھنے کے ایمان سے کلیسیا خلق ہوئی اور پھر یہ کہ اس ایمان کی بُنیاد کیا ہے۔

۱۔ مسیح کی قیامت پر ایمان رکھنے سے کلیسیا خلق ہوئی

ناممکن ہے کہ کسی خاص نتیجے کو دیکھ کر ہمارے دل کے اندر یہ خیال پیدا نہ ہو

کہ اس نتیجے کے مطابق کوئی کافی سبب ہوگا اس میں کسی کو شبہ نہیں کہ مسیحی کلیسیا اس وقت دُنیا میں موجود ہے اور وہ صدیوں سے موجود رہی ہے۔ آج کے دن جہاں جاؤ مسیحی لوگ تم کو نظر آئینگے جن کے عقاید مسیحی ہیں اور جو یسُوع مسیح کی پرستش کرتے ہیں۔ اگر گذشتہ اُنیس صدیوں کی تواریخ عام لکھو تو ناممکن ہے کہ تمہیں ہر صفحے پر مسیحی کلیسیا کے بارے میں کچھ نہ کچھ تحریر کرنا نہ پڑے۔ مثلاً بنی آدم کے معاملات پر اُس کا کیا اثر پڑا اُس نے لوگوں کے خیالات اور اُمیدوں کی کیونکر رہبری کی۔ اُس کے مسائل کی تشریح پر کیسے کیسے جسمانی اور دماغی تنازعے ہوئے۔ بلکہ اُس کی آڑ میں کیسی کیسی بے رحم اور وحشیانہ کارروائیاں کی گئیں۔ جس طرف رُخ کرو تمہیں اس حقیقتِ عظیم یعنی مسیحیت کا سامنا کرنا پڑیگا

اب سوال یہ ہے کہ یہ کلیسیا پیدا کیسے ہوگئی؟ کس علت نے اس معلول کو ظہور پذیر کردیا؟ مسیحیت کا اپنا جواب نہایت صاف اور واضح ہے یعنی یہ کہ کلیسا دُنیا میں مسیح کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے سے پیدا ہوئی ہو سکتا ہے کہ مسیح نے وہ سب معجزات دکھائے ہوں جو اناجیل میں اُس کی طرف منسُوب کئے گئے ہیں اور اُس نے وہ سب تمثلیں سُنائیں اور وعظ کئے ہوں۔ جن کا بیان اُن میں پایا جاتا ہے اور پھر وہ آخرکار مصلوب ہو کر دفن کیا گیا ہو۔ لیکن سوا اُس کے جی اُٹھنے کے واقعہ کے اور کوئی کافی سبب نہیں ہے۔ جس سے مسیحیت کی ہستی سمجھ میں آسکتی ہے۔ مسیح نے اپنی موت کی بابت کہا کہ وہ جہان کے گُناہ کے لئے تھی مگر باوجود اس کے فقط اُس کی موت ہی اُس پر ایمان پیدا نہیں کرسکتی تھی اور نہ وہ مسیحی کلیسیا کو قائم کرسکتی تھی۔ ممکن ہے کہ وہ رُومی سپاہی جو صلیب کے پاس

پھرے پر تھا اور جو اُس ماجرے کا تماشائی تھا مسیح کی موت کے طریق سے اور تاریکی اور فوق العادت نشانات سے تھوڑی دیر کے لئے متاثر ہو گیا ہو۔ مگر باوجود اس کے اس میں کوئی بات نہیں جو مسیحی کلیسیا کی موجودگی کے راز کو سمجھا سکے۔ جب ہم غور کرتے ہیں کہ اناجیل میں مسیح کی موت اور تدفین نے عملاً اُس کے مسیح اور ابن اللہ ہونے کے یمان کو ملیا میٹ کر دیا تو یہ قیاس اَور بھی زور پکڑ جاتا ہے۔ اس سے اُس کے ساتھ اُلفت تو جاتی نہ رہی مگر ظاہر ہے کہ محض اُس اُلفت کی یاد ہی باقی رہ گئی تھی۔ چند عورتیں اُس کی لاش پر خوشبودار چیزیں ملنے آئیں اور اُس کو قبر سے نکلا ہوا دیکھ کر اُن کا کلیجہ پھٹ گیا۔ شاگردوں کو اُمید تھی کہ جیسا مسیح نے اپنے بارے میں اُن سے بارہا کہا تھا کہ ضرور زندہ ہو گا وہی خُدا کا مسیح اور اسرائیل کا رہائی دینے والا ہے۔ مگر اُن کا ایمان لغزش کھا گیا اور اُمید منقطع ہو گئی۔ یہ قیاس میں نہیں آسکتا کہ مسیحیت کی قائمی اور کلیسیا کا آغاز مسیح کے جی اُٹھنے کے اعتقاد کے بغیر ہُوا ہو۔

اس امر کو مسیحیت کے مخالف اور اُس بڑے معجزے کے مُنکر بھی جس سے مسیحیت قائم ہُوئی تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ گو مسیح مُردوں میں سے جی نہیں اُٹھا مگر کلیسیا کے قائم ہونے کا سبب اُس کے جی اُٹھنے کا اعتقاد تھا۔ بس اس بحث کا انحصار اس سوال پر ہے کہ اُس اعتقاد کا آغاز کیونکر ہُوا؟ کیا کوئی خارجی واقعہ اس کی بنیاد تھی یا کیا وہ کسی توہم یا غلط فہمی کا نتیجہ تھا؟ مسیحیت کی رُو سے یہ اعتقاد مسیح کے جی اُٹھنے کے واقعہ سے پیدا ہُوا۔ مسیح صلیب پر کھینچا گیا۔ اُس نے نزع کا آخری درد محسوس کر لیا۔ اور اُس پر بے حُرمتی کا آخری وار ہو چُکا۔ اُس نے گُناہ کی

آخری اور ہیبت ناک سزا کا مزا چکھ لیا۔ یعنی خدا کی حضوری اُٹھالی گئی۔ جس باعث اُس نے پکار کر کہا کہ "اے میرے خدا۔ اے میرے خدا۔ تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا"۔ نیکدیمس اور آرمتیا کا یوسف لاش کو صلیب پر سے اُتار کر یہودیوں کے دستور کے مطابق خوشبودار چیزوں کے ساتھ کفناتے ہیں اور پھر اُسے باغ کی ایک نئی قبر کے اندر جو چٹان میں کھدی ہوئی تھی رکھ دیتے ہیں۔ اور ایک بڑا پتھر قبر کے منہ پر لڑھکا کر چلے جاتے ہیں۔ جمعہ کی رات اور سبت گذر جاتا ہے۔ ہفتے کے پہلے دن چند عورتیں پو پھٹتے وقت قبر پر آتی ہیں۔ وہ جی اُٹھے ہوئے خداوند کے دیدار کے لئے نہیں بلکہ اُس کی قبر پر رونے اور اُس کی لاش کو معطر کرنے کے لئے آئی ہیں۔ وہ گویا اُمید کو خیرباد کر رہی ہیں۔ یہ تو صبح کا ماجرا تھا لیکن شام ہونے سے پیشتر یروشلیم میں اور اُس کے آس پاس مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت اُس اعتقاد پر جمی ہوئی تھی جو دُنیا کو تہ و بالا کرنے والا اور تواریخ کے دریا کو نئی دھاراہیں چلانے والا تھا وہ اعتقاد یہ تھا کہ مسیح جی اُٹھا ہے ٭

مسیح کے شاگرد جو افسردہ خاطر اور پست ہمت آدمی تھے اِس اعتقاد کے باعث کہ ہم نے اُسے دیکھا ہے۔ دفعتاً بڑے بھاری جوش سے مشتعل ہو کر دُنیا کے مقابل بے دھڑک نکل جاتے ہیں اور یسوع اور اُس کے جی اُٹھنے کی منادی کرتے ہیں۔ آج کے دن وہی پیغام ہفت اقلیم کے ممبروں پر سے سُنایا جاتا ہے۔ اتھینی اور ماسکو اور پیٹروگریڈ کی یونانی کلیسیا کی شاندار عبادت میں اور رُوما کے مقدس پطرس کے بڑے گرجے کے گنبد کے نیچے اُسی کا سرود ہو رہا ہے۔ سکاٹلینڈ کے دہقان اپنے

گرجوں میں اُسی کا راگ الاپتے ہیں اور سوئٹزرلینڈ کے پہاڑی باشندے اُسی پیغام کو سُنتے ہیں۔ قطب شمالی کے سرد گوشۂ تنہائی میں یسُوع کا قصہ سُنایا جاتا ہے۔ اور بحرِ جنوبی کے رہنے والے سمندر کی موجوں کے ہم آواز ہوکر اُسی کا گیت گاتے ہیں۔ تاریک ترین افریقہ اور تبت کے بلند ملک اور ہندوستان کے وسیع برِاعظم میں مسیح اور اُس کی نجات بخش طاقت کی خبر پہنچائی گئی ہے۔ کرۂ ارض کے گرد ہفتے کے پہلے روز مسیحی مزامیر اور گیتوں کا نغمہ ہوتا ہے۔ یعنی اُس دن جس پر مسیح کے شاگردوں کے اعتقاد کے بموجب اُن کا خداوند مُردوں میں سے جی اُٹھا تھا۔ وہ اُس کے نام کی تعظیم کے واسطے اور اُس کی خدمت کے لئے ازسرِنو اپنی تقدیس کرنے کی غرض سے اکٹھے ہوتے ہیں۔ مسیح کے جی اُٹھنے کے اعتقاد نے کلیسیا کو خلق کیا اُسے دُنیا میں قائم کیا اور اُنیس صدیوں سے زیادہ تک قائم رکھا ہے۔

۲۔ مسیح کے جی اُٹھنے کا ثبوت

اگر مسیح کا جی اُٹھنا واقعی امر ہے تو اِس کا ثبوت کیا ہے؟ کسی کو شُبہ نہیں ہو سکتا کہ اُسی جی اُٹھنے کے اعتقاد پر کلیسیا کی بُنیاد قائم ہے۔ مگر کیا یہ اعتقاد خود بھی کسی واقعہ پر مبنی ہے؟ معلول سے علت کی طرف استدلال کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اگر مسیحی جماعت جیسا فیض رساں فرقہ جو پاکیزہ اخلاق کا معلم اور بنی آدم کے آگے اعلےٰ اُمیدوں کا رکھنے والا ہے اور مسیح کے جی اُٹھنے کے اعتقاد پر قائم ہے تو یہ بالواسطہ شہادت اس امر کی ہے کہ مسیح کے جی اُٹھنے کا واقعہ مان لینے کے قابل ہے۔ کیونکہ یہ باور

کرنا محال ہے کہ کسی بھاری دھوکے نے مسیحیت کو دُنیا میں شروع کر دیا اور پھر اُسے اتنی صدیوں تک قائم رکھا۔ اب ہم مسیح کے جی اُٹھنے کی براہِ راست شہادت پیش کرینگے +

(و)، **مسیح کی اپنی پیشگوئیاں:۔** اُس نے صاف صاف اور بار بار اپنے جی اُٹھنے کی پیشگوئی کی۔ جب فقیہوں اور فریسیوں نے اُس سے اُس کے اپنی بابت عجیب دعوؤں کے حق رکھنے کا کوئی نشان مانگا تو یسُوع نے کہا کہ جیسے یُونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابنِ آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا۔ اُس نے شاگردوں سے کہا کہ وہ غیر قوموں کے حوالے کیا جائے گا تاکہ وہ اُسے ٹھٹھوں میں اُڑائیں اور کوڑے ماریں اور وہ تیسرے دن جی اُٹھیگا۔ یہ پیشگوئیاں نہ فقط یسُوع کے رفیقوں ہی کو معلوم تھیں جو اُن کو قابلِ توجّہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ یسُوع کے دُشمن بھی اُن سے واقف تھے اور اُن کا کہیں زیادہ خیال رکھتے تھے۔ کیونکہ جب یسُوع مصلوب ہونے کے بعد دفن کیا گیا تھا تو فقیہوں اور فریسیوں نے پیلاطُس سے درخواست کی کہ قبر کی حفاظت کے لئے خاص پہرہ لگایا جائے اُنہوں نے کہا کہ "ہمیں یاد ہے کہ اُس دھوکے باز نے جیتے جی کہا تھا کہ مَیں تین دن کے بعد جی اُٹھونگا" +

شاید کوئی کہیگا کہ یسُوع کی یہ پیشگوئی اپنے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کی نسبت اس بات کا ثبوت نہیں ہو سکتا کہ وہ فی الحقیقت جی اُٹھا تھا۔ کیونکہ یہ شہادت اُس واقعہ سے پیشتر دی گئی تھی نہ کہ اُس کے بعد۔ مانا کہ یہ سچ ہے۔ مگر یہ دلیل یہیں تک مفید ہے کہ اس سے مسیح کی قیامت کا اُس کی سیرت اور دعوؤں کے مطابق ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ

اگر بار بار کہنے کے بعد کہ مَیں مُردوں میں سے جی اُٹھونگا وہ نہ جی اُٹھتا تو وہ تواریخ عالم کے سب سے بڑے سادہ لوح آدمیوں یا عیّاروں میں سے ہوتا۔ یا وہ قابلِ رحم جاہل اور فریب خوردہ تھا یا بڑا بھاری فریب دہندہ اور دغاباز تھا (جیسا کہ فریسیوں نے اُسے نام دیا تھا) لیکن خیالات کے ہر طبقے کے لوگ اُس کی دماغی طاقت اور اُس کی سیرت کی اخلاقی خوبصورتی کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس لئے ناممکن ہے کہ اُس کو سادہ لوح یا فریب دہندہ تصوّر کیا جائے۔ یہ بیان بطور دیباچہ کے ہے تاکہ جب مسیح کے جی اُٹھنے کی شہادت کا ثبوت پیش کیا جائے تو معلوم ہو جائے کہ وہ واقعہ کیونکر اُس کی پیشگوئیوں کے مطابق ہے +

(ب) **مقدّس پولُوس کی گواہی**۔ جہاں تک تحریرات سے معلوم ہو سکتا ہے مسیح کی قیامت کی سب سے اوّل اور سب سے زیادہ احتیاط سے مرتّب شہادت کرنتھیوں کے نام پولُوس کے پہلے خط کے پندرھویں باب میں پائی جاتی ہے۔ وہ مسیح کی موت کے بہت قریب کے زمانے میں موجود تھا۔ اپنے خط کے اس حصّے میں وہ مسیحی پیغام کا لُبِ لباب پیش کرتا ہے۔ یعنی مسیح کیونکر ہمارے گناہوں کے لئے مُؤا اور تیسرے دن کتاب مقدّس کے بموجب جی اُٹھا۔ وہ چھ موقعوں کا ذکر کرتا ہے جن میں مسیح اپنے جی اُٹھنے کے بعد دکھائی دیا۔ اوّل پطرس کو پھر بارہ شاگردوں کو پھر ایک ساتھ پانسو سے زیادہ بھائیوں کو پھر یعقوب کو۔ بعد ازاں سارے رسولوں کو اور سب سے آخر خود پولُوس کو جیسے وہ "گویا ادھورے دِنوں کی پیدائش" بیان کرتا ہے دکھائی دیا۔ وہ پولُوس کو خاص طور پر دمشق کے راستے میں نظر آیا جہاں وہ عجیب ماجرا واقع ہُوا جس سے پولُوس مسیح کے جی اُٹھنے پر ایمان

لے آیا۔ باوجود اس کے جب پولوس اُس واقعہ کی شہادت کا خلاصہ پیش کرتا ہے تو وہ فہرست میں اُن موقعوں کو بھی شامل کرتا ہے جن میں مسیح اوروں کو دکھائی دیا ٭

اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ مسیح پولوس کو اپنے صعود کے بہت عرصہ پیچھے دکھائی دیا۔ اور اس لئے اس واقعہ کو اُن موقعوں میں شامل نہیں کرنا چاہئے جو مسیح کی قیامت کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ظہور پذیر ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خود پولوس نے جو سب سے بڑا منطقی دماغ رکھنے والا تھا۔ اس واقعہ کو اُس فہرست میں شامل کر دیا ہے۔ دمشق کی سڑک پر کی ملاقات، نے پولوس کو قائل کر دیا کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے اور وہ مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ یہی یقین واثق دُنیا کی تواریخ میں سب سے بڑی اخلاقی تبدیلی اور دماغی انقلاب، پیدا کرنے کا ذریعہ ٹھیرا۔ دُنیا میں آج کے دن بہت سے لوگ یسُوع مسیح اور اُس کی کلیسیا سے عداوت رکھتے ہیں۔ وہ قول اور فعل اور تحریر میں مسیح کے مخالف ہیں۔ مگر اُن میں سے بدترین بھی پولوس کے برابر شدّت سے عداوت رکھنے والا نہیں ہے۔ اُن میں سے کبھی کسی نے مسیح کے حق میں پولوس کے برابر سنگدلی اور نارواستی اور شرارت کی باتیں نہیں کہی ہیں۔ اُن میں سے کسی نے کبھی مسیح کی کلیسیا کو پولوس کی سی سخت مستعدی سے تباہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ باوجود اس کے یہی مسیح سے عداوت رکھنے والا۔ یہی مسیحیوں کو دام میں پھنسانے والا۔ یہی کلیسیا کا تباہ کرنے والا۔ یہی مسیحیوں کے دھمکانے اور قتل کرنے کی دُھن رکھنے والا دفعتاً دُنیا میں یسُوع مسیح کا سب سے بڑا اور بارعب دوست بن گیا۔ اسی نے عہدِ جدید کا زیادہ حصّہ تصنیف کیا اور مسیحی مسائل

کو نہایت زبردست طور سے پیش کیا ہے۔ اُسی نے مسیحی خُوبیوں کا سب سے عُمدہ بیان کیا ہے اور مسیح کے ساتھ رفاقت رکھنے اور مسیح کی صلیب کے لئے اپنے آپ کو مخصوص کرنے کا سب سے اعلیٰ نمونہ مہیا کر دیا ہے ٭

ترسس کے ایذا دینے والے شاؤل کا یسوع مسیح کے رسول پولوس میں بدل جانا تواریخی ماجرا ہے۔ اس تبدیلی کا کیا سبب تھا؟ کس بات نے یہ تغیر پیدا کر دیا؟ پولوس بیان کرتا ہے کہ جی اُٹھے ہوئے مسیح کا نظارہ اس کا باعث تھا۔ مُردوں میں سے جی اُٹھے ہوئے مسیح کا پولوس پر ظاہر ہونا پولوس کے تبدیل قلب کے بھاری نتیجے کو پیدا کرنے کے لئے کافی سبب ہے۔ اور اس سے کم کوئی اور سبب ہو نہیں سکتا۔ اِس لئے پولوس کی اندرونی تبدیلی اور اُس کی مابعد کی اعلےٰ زندگی مسیح کے جی اُٹھنے کی شہادت دیتی ہے ٭

(ج) **مسیح کے شاگردوں کی گواہی۔** اعمال کی کتاب کے دیباچے میں لوقا بیان کرتا ہے کہ مسیح نے اپنی موت کے بعد بہت سے ثبوتوں سے اپنے آپ کو اپنے شاگردوں پر زندہ ظاہر کیا۔ چنانچہ وہ چالیس دن تک انہیں نظر آتا اور خُدا کی بادشاہت کی باتیں کہتا رہا"۔ اب ہم اُن موقعوں کا ذکر کرینگے۔ جن پر وہ نظر آیا اور بتائینگے کہ وہ ثبوت کیا ہیں۔ اُن کا بیان کرنے سے پیشتر میں یہ کہنا چاہتا ہُوں کہ لوقا جو مسیح کے جی اُٹھنے کے بہت سے ثبوتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے اور دوسرے مقام پر اپنی تصنیف کردہ انجیل میں بڑی احتیاط سے اُس واقعہ کے حالات قلمبند کرتا ہے دُنیا کے سب سے معتبر مؤرخوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اُس کی دونوں کتابوں میں تواریخ کے ایک سخت دُشوار گذار مرحلے کے حالات مندرج ہیں جبکہ نظام سلطنت نہایت پیچ در پیچ حالت میں تھا۔ باوجود اس کے لوقا بے ساختہ طور پر شہروں اور قصبوں اور اُس

زمانے کے اشخاص کا ذکر کرتا ہے وہ کہیں غلطی نہیں کرتا۔ اس لئے جب ہم ان الفاظ کو پڑھتے ہیں کہ یسوع نے بہت سے ثبوتوں سے اپنے آپ کو اپنے شاگردوں پر زندہ ظاہر کیا تو ہم لوقا کے متعلق اس بات کو یاد رکھیں۔

اِس میں کسی کو کلام نہیں کہ چاروں اناجیل اس واقعہ کی شاہد ہیں کہ مسیح مُردوں میں سے جی اُٹھا۔ خواہ اُن کے مصنف غلطی پر تھے یا دیدہ و دانستہ دھوکا دینے والے تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ مسیح جی اُٹھا تھا۔ ان چاروں بیانات میں خفیف اختلافات ہیں جو شروع میں متفرق اور نقیض معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً یُوحنا کہتا ہے کہ جب مریم مگدلینی قبر پر آئی تو اندھیرا تھا۔ مگر مرقس بیان کرتا ہے کہ سُورج نِکلا ہی تھا۔ متی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے قبر کو بند پایا۔ مرقس کہتا ہے کہ وُہ کھُلی ہُوئی تھی۔ ایک انجیل میں ایک فرشتہ دکھائی دیتا ہے۔ ایک میں دو فرشتے۔ تیسری میں ایک جوان اور چوتھی میں دو شخص۔ متی اور یوحنا بیان کرتے ہیں کہ عورتیں بڑی خوشی کے ساتھ شاگردوں کو خبر دینے دوڑیں۔ مگر مرقس کہتا ہے کہ اُنہوں نے ہیبت کے مارے کسی سے کچھ نہ کہا۔

مسیح کے جی اُٹھنے کے حالات کے متعلق ہم ان اختلافات سے شاید متحیر تو ہونگے مگر شکر کا مقام ہے کہ یہ چاروں بیانات تفصیل میں بعینہٖ یکساں نہیں ہیں۔ اگر یکساں ہوتے تو اندیشہ تھا۔ کہ ہم اُن کو سازش یا دھوکے بازی کا نتیجہ سمجھتے۔ لیکن اگر اناجیل کے بیانات جعل سازوں نے مِل کر مرتب کئے ہیں تو اُنہوں نے اپنے کِذب کو ایک دُوسرے کے موافق کیوں نہ رکھا؟ انہی اختلافات سے مصنفوں کی خلوص باطنی اور ایک دوسرے سے بے لگاؤ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اگر ہمارے پاس تمام

واقعات موجود ہوتے تو بلا ریب ان ظاہری اختلافات کا سبب سمجھ میں آجاتا۔ مگر موجودہ صورت میں وہ انجیلوں کی شہادت کو کسی طرح سے توڑ نہیں سکتے۔ کیونکہ اہم معاملہ یہ نہیں کہ کیا اُس وقت اندھیرا تھا۔ یا سُورج نکلا ہُوا تھا۔ دو فرشتے تھے یا ایک تھا۔ عورتوں نے کیا کہا یا کیا نہ کہا۔ بلکہ یہ کہ کیا مسیح جی اُٹھا تھا؟ کیا قبر خالی تھی؟ اس کی بابت چاروں اناجیل کامل طور سے متفق ہیں۔ سٹراس جو اپنی تصنیف "مسیح کی سوانح عُمری" میں مسیح کی زندگی کے اکثر حالات کو قصہ کہانی یا توہم کا نتیجہ بیان کرتا ہے رقمطراز ہے کہ "اگر ہم نے کسی عجیب و غریب معجزے کو فی الحقیقت واقع ہُوا مان لینا ہو تو اُس کو بذریعہ شہادت کے ایسے طور سے ثابت ہونا چاہئے کہ اُس شہادت کا ابطال بہ نسبت اُس حقیقت کے جسے ثابت کرنا مقصود ہے زیادہ مشکل ہو"۔ اس معیار کو منظور رکھ کے ہم کہتے ہیں کہ بلحاظ واقعات کے بلحاظ مسیح کے جی اُٹھنے کے ایمان پر مسیحیت کے قائم ہونے کے اور بلحاظ مسیح کی سیرت اور حالات کے جیسے کہ وہ اناجیل میں پائے جاتے ہیں اُن انجیلوں کو باطل سمجھ لینا بہت زیادہ دشوار ہے۔ بہ نسبت اس بات کو مان لینے کے کہ مسیح فی الواقعہ مُردوں میں سے جی اُٹھا۔ یقیناً اگر مسیح فی الحقیقت خُدا کا بیٹا ہو جیسے وہ اناجیل میں بیان کیا گیا ہے اور اپنی پیشگوئیوں میں سچ بولنے والا ہو تو یہ باور کرنا محال ہے کہ وہ مُردوں میں سے جی نہیں اُٹھا۔ جب پنتکوست کے دن پطرس نے کہا کہ ممکن نہ تھا کہ وہ موت کے قبضے میں رہتا تو اُس نے اسی دلیل کو پیش کیا۔

(د) مسیح کے جی اُٹھنے کے اثبات کی پُختگی اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ جی اُٹھنے کا اعتقاد کسی اور وجہ سے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ سب

لوگ مسیح کے جی اُٹھنے پر اعتقاد اور کلیسیا کے اُس پر قائم ہونے کو تسلیم کرتے ہیں۔ اگر یہ اعتقاد مسیح کی قیامت کے واقعہ سے پیدا نہیں ہوا تو وہ کسی اور طریق سے معرض وجود میں آیا ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کونسا طریق تھا؟ ہم اُن مختلف قیاسی امور پر غور کرینگے جو اس اعتقاد کی بنیاد قرار دیئے گئے ہیں،*

(۱) **مسیح کے شاگرد اُس کی لاش کو چُرالے گئے۔** اس قیاس کے بموجب مسیح کا جی اُٹھنا بڑا بھاری جھانسا اور دغابازی کا عمل تھا وہ قبر خالی پڑی تھی اس سبب سے کہ اُس کے شاگرد لاش کو چُرا کر لے گئے تھے۔ اور اُنہوں نے مشہور کردیا تھا کہ مسیح جی اُٹھا ہے۔ حاکموں نے رومی سپاہیوں کو رشوت دے کر یہی کہنے پر آمادہ کیا تھا کہ اُس کے شاگرد رات کے وقت آکر اُس کی لاش کو چُرالے گئے۔ اُنہیں قبر کے خالی ہونے کا کوئی سبب تجویز کرنا تھا۔ تاکہ یسُوع کے دعاوی کی تصدیق ہونے نہ پائے۔ یہ قیاس ایسا بے سرو پا اور لایعنی ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی غور کے لائق نہیں ۔ یہ ان فقیہوں اور فریسیوں ہی کا حصّہ تھا جنہوں نے سب سے پہلے بدذاتی سے اس کو دُنیا میں پھیلادیا۔ اگر یہ سچ ہو تو مسیحیت کا بوسیدہ سہارے پر کھڑا ہونا ایک اخلاقی عجوبہ ہوگا۔ اس قسم کی چالاکی رسولوں کی اخلاقی مردانگی اور سرگرمی کی کافی وجہ نہیں ہوسکتی۔ کیا تم خیال کرسکتے ہو کہ پطرس اور یوحنا اور باقی شاگرد ایسے مسیح کی خاطر دُکھ اور ایذا اُٹھاتے اور موت گوارا کرتے جس کو وہ مرچکا سمجھتے تھے اور جس کے بارے میں وہ جھوٹ بول رہے تھے؟

(۲) **مسیح مرا نہیں تھا بلکہ سکتے کی حالت میں تھا۔** وقتاً فوقتاً

یہ بیہودہ خیال تازہ کیا جاتا ہے۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بعض اوقات مصلوب شُدہ لوگ کئی کئی روز تک زندہ رہتے تھے۔ اس قیاس کے بموجب مسیح یُوسف کے سردخانے سے تازہ دم ہو کر نکل گیا اور شہر میں واپس آیا۔ مگر یہ بیان مسیح کے مصلوب ہونے کے حالات کے برعکس ہے۔ سپاہیوں نے مسیح کو آخری ضرب نہ لگائی یعنے اُس کی ٹانگیں نہ توڑیں کیونکہ وہ مر چکا تھا۔ مگر ایک سپاہی نے محض دل لگی کی خاطر ایک بھالے سے اُس کی پسلی چھیدی۔ اگر وہ مر نہیں چکا تھا تو اُس مصیبت زدہ آدمی کی کمزور حالت میں یہ پہلو کا شگاف ہی اُس کے مار ڈالنے کے لئے کافی تھا مزید براں پیلاطُس نے لاش پر پہرہ بٹھانے سے پیشتر ہی حاکموں سے اُس کی مَوت کی تصدیق کر لی تھی +

لیکن فرض کرو کہ مسیح صلیب کے عذاب سے اور مصالحوں کے ساتھ تدفین کے عمل سے جانبر ہو گیا تو وہ قبر سے کیونکر نکلا ہو گا؟ قبر کے مُنہ پر سے پتھر کیسے لڑھک گیا؟ اگر یہ بھی کسی طریق سے ہونا ممکن تھا اور یسُوع اپنے شاگردوں کے پاس لَوٹ کر چلا گیا اور اُن کی تیمارداری سے اُس میں جان پڑ گئی تو کیا یہ قرین قیاس ہے کہ ایسے مسیح نے اپنے شاگردوں کے اندر بہادرانہ ایمان اور دلاوری کا جذبہ پیدا کر دیا ہو اور اُن کو یہ یقین ہو گیا ہو کہ وہ خُدا کا بیٹا ہے؟ مشہور ملحد سٹراس بھی اس نظریہ کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ "کوئی آدمی جو چھپکے سے قبر میں سے نیم مُردہ نکل گیا ہو اور کمزوری اور بیماری کے مارے آہستہ آہستہ چلتا ہو اور جسے طبی علاج۔ اور مرہم پٹی اور طاقت کی دوائی اور تیمارداری کی ضرورت ہو اور جو آخر مصیبتوں سے دب کر رحلت کر جائے۔ ناممکن

ہے کہ ایسا آدمی اپنے شاگردوں کے دل میں یہ خیال پیدا کرے کہ وہ موت اور قبر پر ظفریاب اور زندگی کا مالک ہے۔ اور یہی خیال اُن کی آئندہ خدمت کی بنیاد تھا۔"

(۳) **شاگردوں کا دماغی دھوکا۔** اس نظریہ کے مطابق شاگردوں نے فی الواقع مسیح کو قبر میں سے جی اُٹھے ہُوئے نہیں دیکھا تھا۔ یہ محض اُن کا گمان تھا کہ اُنہوں نے اُسے دیکھا ہے۔ تم اُس عورت کے بارے میں کیا خیال کروگے جو بیان کرتی ہے کہ مَیں نے اپنے خاوند کو قبر میں سے جی اُٹھے ہُوئے دیکھا ہے اور اُس سے باتیں کی ہیں اور اُس کے ساتھ کھانا کھایا ہے؟ تم کہوگے کہ آٹھ پہر کی خبر گیری اور تیمارداری اور بے خوابی اور گھلانے والے غم نے اُس عورت کے دل پر ایسا اثر پیدا کر دیا ہے جس سے وہ خود فریبی اور دماغی دھوکے میں مبتلا ہو گئی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بعینہٖ یہی حال مسیح کے شاگردوں کا تھا۔ مثلاً مریم کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اُس نے مسیح کو مالی سمجھا۔ حالانکہ زیادہ اغلب یہ ہے کہ اُس نے مالی کو مسیح سمجھا ہو۔ مُنہ اندھیرے میں شاگرد یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے تھے کہ اُنہوں نے کیا دیکھا۔ اُن کی دلی خواہش تھی کہ مسیح نہ مرتا۔ اُن کے لئے یہ باور کرنا محال تھا کہ مسیح مر گیا ہے۔ جیسے کہ لاکھوں نوحہ گروں نے اپنے عزیزوں کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر محسوس کیا ہے اس خواہش سے یہ خیال پیدا ہو گیا کہ وہ مرا ہی نہیں۔ اور وہ پھر ضرور جی اُٹھیگا۔ اُن کے رنج و غم نے اُن کے دِل میں اوہام اور خیالاتِ خام پیدا کر دیئے اور ان خیالات سے اعتقاد پیدا ہو گیا۔ اس طور سے اُس روایت کا آغاز ہُوا۔ غم نے اس کو پر لگا کر اور بھی اُڑا دیا۔ رینین اپنی تصنیف

"مسیح کی سوانح عمری" کے اختتام پر یُوں رقمطراز ہے "کیا اُس کی لاش چُرائی گئی یا مذہبی جنُون نے جو ہمیشہ سریع الاعتقاد ہوتا ہے اُن بیانات کو قلمبند کرایا جن کا مُدعا یہ تھا کہ مسیح کے جی اُٹھنے کے ایمان کو قائم کیا جائے؟ چُونکہ اُن کے خلاف کوئی تحریرات موجود نہیں اس لئے ان سوالات کا جواب یقینی طور پر دیا نہیں جا سکتا۔ لیکن ہم یہ ضرور کہینگے کہ مریم مگدلینی کے زبردست وہم نے اس معاملہ میں بڑا بھاری حصّہ لیا۔ واہ وا! محبّت کی کیسی افضل طاقت ہے۔ وہ کیا متبرک گھڑی ہوگی جب ایک جنُونی کے جوش نے جی اُٹھے ہوئے خُدا کو دُنیا کے آگے موجود کر دیا"۔

لیکن بحث کی خاطر فرض کر لو کہ مسیح زندہ نہیں ہُوا تھا اور شاگرد رنج یا جنون یا کسی اور وجہ سے دماغی دھوکے کی حالت میں تھے۔ تو مسیح کی لاش گئی کہاں؟ اگر شاگردوں نے اُسے کہیں چھپا دیا ہوتا تو اُن کو یہ دھوکا کبھی نہ لگتا کہ مسیح جی اُٹھا ہے اور اگر وہ لاش قبر میں پڑی تھی یا فقیہوں اور فریسیوں کے زیر حفاظت تھی تو وہ اُن شاگردوں کو جو مسیح اور اُس کی قیامت کی منادی کرتے تھے جھوٹا اور دغاباز ثابت کرنے کے لئے اُس کو پیدا کر دیتے۔ مگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ اُن کو یہی تجویز بن پڑی کہ روپیہ دے کر یہ جھُوٹ گھڑ لیا جائے کہ شاگرد لاش کو چرُا لے گئے اور کہیں چھُپا دیا ہے۔

اُنہوں نے مسیح کی لاش کو نہ پایا۔ وہ خالی قبر ہر قسم کے نظریئے اور فرضی قیاس کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ جس کی رُو سے مسیح کے جی اُٹھنے کے اعتقاد کا آغاز کسی اور طریق سے ہُوا سوائے اُس طریق

کے کہ مسیح فی الحقیقت جی اُٹھا تھا۔ فقط ایک ہی قیاس ہے جس سے اُس قبر کا خالی ہونا سمجھ میں آسکتا ہے یعنی اناجیل کا نظریہ جس کے مطابق کلیسیا پیدا ہوئی جس نے آدمیوں کو ننگی تلوار اور بھڑکتے ہوئے شعلوں اور خونخوار شیر ببروں کے مقابل سینہ سپر ہونے پر آمادہ کر دیا۔ جس نے مسیح سے عداوت رکھنے والے اور کلیسیا کے ستانے والے شاؤل کو تبدیل کرکے پولوس رسول مقبول بنا دیا۔ جو غم اور الم کے چہرے کو بدل دیتا اور گور کی تاریکی میں اُمید کا چراغ روشن کر دیتا ہے۔ یہی نظریہ مسیحی مذہب کے آغاز اور پھیلنے کا واحد سبب ہے۔ اُسی کی صداقت پر ہمارے گناہوں کی معافی کے سارے بھروسے کا دارومدار ہے۔ اُسی پر اس وقت اپنے خداوند اور مُنجی کی رفاقت پر ایمان۔ موت کے بعد کی زندگی کی ساری اُمید ہماری شخصی بقا اور ابدیت میں اپنے عزیزوں اور دشتِ زماں کے گم شدگان کے ساتھ دوبارہ میل ملاپ موقوف ہے۔ اسی نظریہ پر مسیحی مذہب کی باقی سب صداقتوں کا انحصار ہے۔ یہی وہ کونے کا پتھر ہے جس پر مسیحیت کی ہیکل کی ساری کی ساری شاندار عمارت قائم ہے۔ اسی نظریہ کے بہت سے ثبوت تصدیق کرتے ہیں۔ اور وہ نظریہ یہ ہے۔ کہ "مسیح تیسرے دن مُردوں میں سے جی اُٹھا۔ اور مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے سبب قدرت کے ساتھ خدا کا بیٹا ٹھہرا"۔

آٹھواں سوال

کیا مسیح آسمان پر صعود کر گیا؟

"غرض خداوند یسوع اُن سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اُٹھایا گیا اور خدا کی دہنی طرف بیٹھ گیا"۔ (مرقس ۱۶: ۱۹)

مسیحی مذہب بنی آدم کی نجات کے لئے خدا کی قدرت اور ارادے کے چار بڑے معجزات یا مظہرات کے ساتھ مستحکم طور پر وابستہ ہے۔ یہ چار معجزات تجسّم یعنی ابن اللہ کا ابن آدم بن جانا اور اُس کا جی اُٹھنا اور آسمان پر صعود کرنا اور دُنیا کی عدالت کے لئے اُس کی دوبارہ آمد ہیں۔ منجملہ ان کے تین تو مسیحیت کی تواریخ کا حصہ ہیں اور چوتھا آئندہ کے نادیدنی عالم سے متعلق ہے۔ جب ابن اللہ ہمارا سا جسم لے کر اس کرۂ ارض پر نمودار ہوا تو وہ دُنیا کے لئے بڑا بھاری دن تھا۔ اور جب غائب شدہ مسیح جلال کے ساتھ پھر آئیگا تو وہ بھی دُنیا کے لئے روز عظیم ہوگا۔

آج کے دن، یہ میلان، بڑھتا جا رہا ہے کہ مسیحیت کو اُس کے فوق العادت واقعات سے جدا کر دیا جائے اور اُس کے بڑے اصولوں اور اعلیٰ اُمیدوں سے فائدہ اُٹھایا جائے بلالحاظ اُن پیش کردہ واقعات کی صداقت کے جس پر وہ قائم ہے۔ مکان کی بُنیاد کا ہونا لازمی ہے اور اگر بُنیادیں اُکھاڑ دی جائیں، تو مکان کھڑا نہیں رہ سکتا۔ ہم مسیحیت کے بڑے بڑے مسائل

کی تواریخ کا کافی طور پر مطالعہ کر چکے ہیں جس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ جب لوگوں نے اُن واقعات کو رد کر دیا جن پر اُمیدوں کا انحصار ہے تو پھر اُن کے لئے اُن اُمیدوں کا رکھنا از بس دشوار ہے۔ اگر اُن واقعات کو جن سے گناہوں کی معافی، اور دُنیا میں راستبازی کی فتح اور موت کے بعد کی لازوال زندگی کے تصوّرات پیدا ہوتے ہیں ترک کر دیا جائے تو ضرور ہے کہ وہ تصوّرات بھی جاتے رہیں۔ دُنیا میں مسیحیوں کی بہت سی جماعتیں بلکہ دو ایک باقاعدہ ترتیب یافتہ کلیسیائیں بھی ہیں، جو اِن اُمیدوں اور اصُولوں کو مانتی اور اُن کا برملا اظہار کرتی ہیں۔ مگر دُوسری طرف صفائی سے واضح کرتی ہیں کہ وہ یا تو مسیحی تواریخ کے واقعات کو سراسر رد کرتی یا اُنہیں ہلکا سمجھتی ہیں مگر اس سے کسی کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ جماعتیں اور کلیسیائیں زمانہ ماضی کے روحانی سرمایہ سے فائدہ اُٹھا رہی ہیں اور دُنیا میں اُن کی ہستی اُن مسیحی جماعتوں اور کلیسیاؤں کی موجودگی پر سراسر منحصر ہے جو مسیحیّت کے واقعات کو دل سے مانتی ہیں۔

اس وقت مسیحیّت کے بڑے واقعات میں سے مسیح کا صعود زیر بحث ہے۔ مسیح اپنے جی اُٹھنے کے بعد چالیس ایام تک اپنے شاگردوں کے پاس یا اُن کے ساتھ رہا اُن میں، وہ انہیں مختلف اوقات پر دکھائی دیتا رہا۔ کبھی تو وہ اُس وقت نظر آیا جب وہ دیہات کو جا رہے تھے۔ کبھی جب وہ خُداوند کے دن پر اکٹھے ہُوئے تھے اور کبھی جب وہ صبح سویرے جھیل پر سے کُہر کا پردہ اُٹھتے وقت گلیل کی کشتیوں میں اپنے جالوں کو لئے ہُوئے تھے۔ مسیح کرۂ ارض اور اپنے شاگردوں کو الوداع کہنے سے بیشتر دو وجوہات کے باعث اتنے عرصے تک ٹھہرا رہا۔ اوّل تاکہ اُن کو اُس کے مُردوں میں سے

جی اُٹھنے میں ذرّہ بھر شُبہ نہ رہے۔ مسیح کی قیامت کے پختہ یقین کے بغیر نہ کلیسیا اور نہ مسیحیّت قائم ہو سکتی تھی۔ اُس کا ایک ہی بار دکھائی دینا کافی نہ تھا۔ مابعد کے زمانوں میں لوگ کہہ سکتے تھے کہ اُس کا ایک ہی دفعہ نظر آنا محض رقّت انگیز توہم یا مشتاق دِلوں کے اندرُونی تخیّل کا نتیجہ تھا۔ مگر اُس کا بہت دفعہ مختلف حالات کے درمیان اور بہت سے مقامات میں دکھائی دینا اُس کے جی اُٹھنے کو ایسے پختہ طور سے ثابت کرتا ہے کہ بقول بشپ گور صاحب تواریخی دقیقہ سنجی کی رُو سے اُس کا انکار کرنا سخت بعید العقل ہے۔ اس چالیس دن تک ٹھہرے رہنے کا پہلا سبب تو ثبوت کی خاطر تھا اور دوسرا تعلیم کی غرض سے تھا نجات کی خوشخبری کی نسبت تصوّرات جو مسیح کے صعود کے بعد رسولوں اور کلیسیا کی تعلیم میں ایسی صفائی سے بیان کئے گئے اور ایسے پختہ طور سے قائم کیۓ گئے وہ اپنی ابتدائی صُورت میں مسیح کے مصلُوب ہونے سے پیشتر اُس کی تعلیم میں موجود ہیں۔ باوجود اس کے سب کو ماننا پڑیگا کہ مسیحی صداقت کا جو صاف اور مکمل بیان اعمال کی کتاب اور خطوط میں پایا جاتا ہے اُس کے اور اناجیل کے بیان میں فرق ہے۔ رسُولوں نے جو پیغام دُنیا کو دینا تھا اُس کی پُوری سمجھ اُن کو اتنی جلدی کب اور کہاں سے حاصل ہو گئی؟ بلا ریب یہ نتیجہ رُوح القدُس کی موعودہ آمد سے پیدا ہوُا۔ مگر یہ اُس تعلیم کا ماحصل بھی تھا جو مسیح نے اُن کو اُس چالیس دن کے عرصے میں دی۔ مثلاً ایک انجیل میں یُوں لکھا ہے کہ اُس نے مُوسیٰ سے اور سب نبیوں سے شروع کر کے سارے نوِشتوں میں جتنی باتیں اُس کے حق میں لکھی ہوُئی ہیں وہ اُن کو سمجھا دیں۔ پطرس نے رُومی صُوبہ دار کرنیلیُس کے آگے جو وعظ کیا اُس

میں اُس نے نہایت مکمل خلاصہ اُس مسیحیت کا پیش کیا جس کی رسُولوں نے مُنادی کی اور جسے اُنہوں نے دُنیا میں قائم کر دیا۔ وہ خوشخبری مختصراً یہ تھی کہ مسیح نبوت کو پُورا کرنے والا ہے اور اُسی کے ذریعہ بنی آدم گُناہ کی مُعافی حاصل کرتے ہیں۔ وہی ساری دُنیا کی عدالت کریگا۔ وُہ اس پر یہ بھی اضافہ کرتا ہے کہ یسُوع نے اپنی بابت یہ پیغام اپنے جی اُٹھنے کے بعد دیا۔ پس چالیس دن کا عرصہ وہی زمانہ تھا جس میں مسیحی الٰہیات، اپنی حقیقی اور اعلےٰ صوُرت میں شروع ہوُا۔ وہ انسان کے فکر کا نتیجہ نہیں بلکہ خود یسُوع کے فرمان سے تھا۔

لیکن جب یہ مدعا پُورا ہو چُکا اور شاگردوں کا ایمان مسیح کے جی اُٹھنے پر جڑ پکڑ گیا اور اُن کو تعلیم مل گئی کہ کس بات کی منادی کرنی ہے تو یہ قرینِ مصلحت نہ تھا کہ یسُوع اَور زیادہ عرصہ تک زمین پر رہتا۔ چنانچہ اُس نے خود فرمایا کہ میرا جانا ہی تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ اگر وہ رہتا تو کہاں رہتا؟ یروشلیم میں یا کفرنحوم یا اتھینے یا رُومہ میں؟ نہیں۔ اُس کا نظر سے غائب ہو جانا اَور صعود کرنا قدُرتی اور ضروری عمل تھا۔ لوقا کہتا ہے کہ "وہ اُنہیں (یعنی اپنے شاگردوں کو) بیت عنیا کے سامنے تک باہر لے گیا"۔ اور اعمال کی کتاب میں لکھا ہے کہ "وہ پہاڑ جو زیتون کا کہلاتا ہے" اسی کے دامن میں بیت عنیاہ واقع تھا۔ گتسمنی بھی کوہ زیتون پر تھا۔ اور شاید جہاں ہمارے خُداوند نے اپنی پست حالی کا تلخ پیالہ پیا اور دُنیا کے غم اور شرمندگی کا بوجھ نہایت شدت سے محسوس کیا تھا اُسی جگہ سے وہ خُدا کے دہنے ہاتھ اُس جلال میں جسے وہ چھوڑ کر آیا تھا صعود کر گیا۔ اُس نے اپنے ہاتھ اُٹھا کر اُنہیں برکت دی اور پھر اُن سے جُدا ہو گیا۔ اور وہ بدلی

نے اُسے اُن کی نظروں سے چھپالیا"۔ اُس بدلی میں سے سوائے مرتے ہُوئے استفنس اور پولوس کی آنکھوں کے وہ کبھی اب تک کسی کو نظر نہیں آیا۔ یسوع ناصری زمین پر سے جاتا رہا۔ اُس کے شاگرد اُس کو پھر کبھی نہ دیکھینگے۔ مگر اب بجائے غم اور نا اُمیدی کے جس کے ساتھ وہ اپنی تمام اُمیدوں کی گھٹا ٹوپ تاریکی میں اُس کی قبر تک اُس کے پیچھے پیچھے گئے تھے۔ بڑی خوشی سے شہر کو لوٹ گئے اور رُوح القدُس کے ذریعے خدمت کے لئے تیار ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

۱۔ آسمان ایک حالت ہے اور ایک جگہ کا نام بھی ہے

اِس موقعہ کا حال جو اناجیل اور اعمال کی کتاب میں پایا جاتا ہے وہ رسُولوں کی تعلیم اور تصانیف میں ہر کہیں تسلیم کر لیا اور بیان کیا گیا ہے مسیح کے صعود کے متعلق سب سے عام بیان یہ ہے کہ وہ خُدا کے دہنے ہاتھ صعود کر گیا۔ بلا ریب خُدا کا نہ دہنا ہاتھ ہے نہ بایاں۔ اس لئے کہ وہ رُوح ہے۔ اور اس قسم کے محاورات بائبل میں محض اس غرض سے استعمال ہُوئے ہیں کہ جس واقعہ یا صداقت کا وہ نشان ہیں ہم کو اُس کا ماننا آسان ہو جائے۔ باوجود اس کے جب مسیح نظروں سے اوجھل ہو گیا تو یہ غائب ہو جانا حقیقی تھا۔ وہ فی الواقع اس دُنیا سے کُوچ کر گیا تھا۔ اور سچ مچ دُوسرے عالم میں داخل ہو گیا تھا۔ چونکہ اُس زمانے کے لوگ آسمان کو کوئی ایسی جگہ سمجھتے تھے جو اُن کے سر کے اُوپر واقع تھی۔ کوئی وجہ نہیں کہ مسیح اپنے صعود کے عمل میں اُن کے خیالات کے مطابق زمین پر سے اُٹھتے ہُوئے جسم کا اظہار نہ کرتا۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی اس قسم کا حقیقی

اظہار نہ ہوتا تو یہ سمجھنا محال ہے کہ وہ لوگ قائل ہو جاتے جیسے کہ وہ ہو بھی گئے تھے کہ مسیح کے گاہ بگاہ دکھائی دینے کا سلسلہ ختم ہو چکا اور کہ اب ایک نیا دَور شروع ہونے والا ہے ۔

لاف زنی سے یہ کہہ دینا فضول ہے کہ آسمان نہ ہمارے پاؤں کے نیچے ہے اور نہ سر کے اُوپر۔ صعود کا تصوّر اُس زمانہ کے لوگوں کے دل میں جو آسمان کو ساکن اور مادی سمجھتے تھے پیدا ہو جانا آسان تھا۔ مگر ہمارے لئے ناممکن ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جو ستارہ آج ہمارے سر کے اُوپر ہے وہ کل ہمارے پاؤں کے نیچے ہوگا۔ صعود کا اصلی مطلب یہ ہے کہ یسوع دیدنی سے نادیدنی اور رُوحانی عالم میں جو باقی رہنے والا ہے داخل ہو گیا۔

یسوع کہاں چلا گیا؟ وہ کہاں صعود کر گیا؟ آسمان پر؟ مگر آسمان ہے کیا اور کہاں ہے؟ قریب نصف صدی کا عرصہ گذرا کہ دو ماہرین علم طبعیات نے مل کر ایک کتاب بنام "نادیدنی عالم" تصنیف کی۔ یہ ہر دو اشخاص مسیحی الایمان بھی تھے۔ اس کتاب میں یہ خیال شروع سے آخر تک پایا جاتا ہے کہ دیدنی اور مادی عالم جس کے بارے میں ہم سمجھے بیٹھے ہیں کہ کائنات فقط یہی ہے ایک عارضی شے ہے اور حقیقی اور غیر مادی اور نادیدنی عالم کا عارضی تماشہ اور اظہار ہے۔ سائنس اور نبوّت دونوں کی رُو سے موجودہ مادی عالم گداز ہو کر معدوم ہو جائیگا۔ اسی خیال کو یسعیاہ نبی نے فصیح الفاظ میں یُوں ادا کیا ہے "افلاک کا سارا لشکر بھی گل جائیگا اور آسمان کاغذ کے تاؤ کی مانند لپیٹے جائینگے"۔ یا جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے کہ "سر بفلک کشیدہ مینار اور عالیشان محل اور متبرک مندر بلکہ یہ عظیم کرۂ ارض خود مع اپنے آثارِ قدیمہ کے پگھل جائیگا اور ایسا زائل ہو جائیگا

کہ اُس کا نشان تک باقی نہ رہیگا"۔

غور کے لائق ہے کہ ہمیں اس کائنات کا جو ہمارے مشاہدے میں آسکتی ہے کیسا تھوڑا علم ہے۔ اور جو عالم اس دُنیا کے پرے ہے اُس کا علم تو اَور بھی کم ہے۔ مگر جو تھوڑا بہت ہم جانتے ہیں اُس سے یقیناً ہم یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ سوائے اس کے اور کوئی کائنات ہی نہیں۔ اُن چمکتے ہُوئے ستاروں کی دوسری طرف کیا ہے؟ ایک ستارے سے دُوسرے تک پرواز کرو اور آخر اس مادی کائنات کے سب سے بعید کونے پر کھڑے ہو جاؤ۔ پھر بتاؤ کہ اس سے آگے یا اُس کے چاروں طرف کیا ہے مقدّس نوشتوں میں آسمان کا صحیح محل وقوع یا بیان مندرج نہیں ہے مگر جب یسُوع آسمان پر خدُا کے دہنے ہاتھ صعود کر گیا تو وہ ایک ایسی دُنیا میں داخل ہُوا جو ہماری موجُودہ دُنیا کی طرح فی الحقیقت ایک عالم ہے۔

۲۔ مسیح ہمارا شفیع ہے

ہمیں مسیح کے صعود سے جو خاص سبق حاصل ہوتے ہیں۔ وہ آسمان کے جغرافیہ یا اُس مقام کے متعلق مفصّل حالات کا بیان نہیں بلکہ وہ رُوحانی اور یحیٰ معنی رکھتے ہیں جس نادیدنی عالم میں مسیح گیا ہے وہاں ہمارے خدُاوند کا بڑا کام یہ ہے کہ خدُا کے آگے اُن سب کی شفاعت کرے جو اِس زندگی میں اُس پر ایمان لاتے ہیں بلکہ اپنی مَوت سے پیشتر بھی اُس نے خدُا کے آگے انسانی رُوحوں کی شفاعت کی۔ اُس نے اُس آخری رات میں کہا کہ مَیں نے اپنے شاگردوں خصُوصاً پطرس کے لئے دُعا مانگی ہے کہ اُس کا ایمان جاتا نہ رہے۔ اور اُس آخری عشاء کے وقت ان بارہ کے لئے اور گذشتہ اور موجودہ اور آئندہ

ایمان لانے والوں کے لئے اُس نے شاندار سفارشی دُعا کی۔ عہد جدید کی مابعد کی تصنیفات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی سفارشی عمل اُس کی موجودہ خدمت کا کام ہے۔ جب اُس نے کلوری پر جان دی تو آسمان اور زمین اور عالمِ ارواح کی طرف پکار کر کہا کہ "پُورا ہوُا"۔ قربانی اور نجات کا بھاری کام پُورا ہو چُکا اور آئندہ اُس کام کا جو ایک ہی بار صلیب پر کیا گیا۔ اطلاق یا عمل باقی رہ گیا۔ مسیح کا کام بطور شفیع کے نجات کا کوئی نیا فعل نہیں ہے۔ اب وہ فقط بطور ہمارا منجی ہونے کے اپنے آپ کو خُدا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور اس طور سے الٰہی شریعت کا رُخ ہماری طرف سے بدل دیتا ہے "جو خُدا کی دہنی طرف ہے۔ اور ہماری شفاعت بھی کرتا ہے" (رُومیوں ۸: ۳۴)۔ "جو اُس کے وسیلے سے خُدا کے پاس آتے ہیں وہ اُنہیں پوُری پوُری نجات دے سکتا ہے کیونکہ وہ اُن کی شفاعت کے لئے ہمیشہ زندہ ہے" (عبرانیوں ۷: ۲۵)۔ جس طرح سال میں ایک بار کفارّے کے بڑے دن پر اسرائیل کا سردار کاہن سفید پوشاک پہنے ہوُئے گھونگرُو کے چھنکار کے ساتھ اور قربانی کا خُون لے کر پردے کے اندر قوم کی سفارش کرنے کے لئے داخل ہوتا تھا اور تھوڑی دیر تک وہاں رہتا تھا۔ مسیح جو ہمارا سردار کاہن ہے آسمانوں میں پردے کے اندر داخل ہو گیا ہے جہاں قدس الاقداس میں خُدا کی دہنی طرف وہ اپنے لوگوں کی شفاعت کرتا ہے ❖

جو شخص یسُوع مسیح کے پیرو ہونے کا اقرار کرتا ہے اُس کے لئے مسیح خُدا کے آگے زبردست شفاعت کرتا ہے۔ جب صبح اور شام کی خاموشی میں ہمارے دِل محبّت کے جوش میں اُس نادیدنی عالم کی طرف پرواز کرتے ہیں جہاں ہمارے عزیز داخل ہو چُکے ہیں تو کبھی کبھی ہم دل میں خیال کرتے ہیں کہ وہ ہم سے

کس قدر نزدیک ہونگے یا ہمارے لئے کیا خدمت ادا کرتے ہونگے ۔ کیا وہ ہم کو بخوبی دیکھتے اور گواہوں کے بادل کی طرح ہمیں گھیرے ہوئے ہیں؟ جب ہم آزمائش کو کہتے ہیں کہ "دور ہو" تو کیا وہ یہ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں؟ اور جب ہم باوجود اُن کی دعاؤں اور سفارش کے جو وہ ہمارے حق میں کر سکتے ہیں نیکی کو ترک کر کے زندگی کی بجائے موت کو پسند کرتے ہیں تو کیا وہ رنجیدہ خاطر اور فکرمند اور خوفزدہ ہو جاتے ہیں؟ شاید ایسا ہی ہوتا ہو ۔ ہمارا دل چاہتا ہے کہ ایسا ہو ۔ مگر جس بات کا ہم کو پختہ یقین ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے لئے ایک ایسا شخص دعا کرتا ہے جو ہمیں ہمارے رشتہ داروں اور عزیزوں سے بہتر طور پر جانتا ہے ۔ جو ساری باتوں میں ہماری طرح آزمایا گیا تاہم بے گناہ رہا ۔ جو ہماری روزانہ اور ہر گھڑی کی کمزوریوں میں ہمارا ہمدرد ہے ۔ یعنی یسوع جو دُنیا کا خالق ہے جو صلیب پر مر گیا اور تیسرے دن جی اُٹھا ۔ جو آسمان پر چڑھ گیا ۔ اور خُدا قادر مطلق باپ کی دہنی طرف بیٹھا ہے ۔ اگر یہ یاد کر کے کہ ہماری بیوی یا بچہ یا مبارک ماں یا باپ یا کوئی حقیقی دوست ہمارے لئے دعا کرتا ہے کہ ہم بُرے راستے سے بچے رہیں یا ہمارا ایمان جاتا نہ رہے اور ان تمام سفارشی دعاؤں کے خیال سے ہمیں مدد اور طاقت ، اور پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور ہمارے دل میں ہمت اور بازوؤں میں قوت پیدا ہو جاتی ہے تو یہ یاد کر کے کہ مسیح ہماری شفاعت کے لئے ہمیشہ زندہ ہے ہمیں کیونکر تقویت حاصل نہ ہوگی؟

۳ ۔ انسانی ذات کے آسمانی امکان

مسیح آسمان سے باپ کا ازلی بیٹا ہو کر آیا ۔ مگر جب وہ خُدا کی دہنی طرف عزت اور جلال کی جگہ واپس گیا تو وہ ہماری اپنی ذات ساتھ لے گیا ۔

وہ باپ کے پاس خُدا انسان ہو کر لوٹا۔ جو انسانی ذات اُس نے بیت لحم کے پالنے میں اختیار کی اُس نے کبھی اُسے ترک یا علیحدہ نہ کیا۔ اُسی ذات میں ہو کر اُس نے بیابان میں آزمانے والے کا مقابلہ کیا۔ اُسی ذات میں اُس نے بارونق شاہراہ میں اور سبز پہاڑیوں کے پہلو پر اور موجزن جھیل کے کنارے انجیل کا پیغام سُنایا۔ اُسی ذات میں اُس نے گتسمنی کا پیالہ پیا اور کلوری پر موت کی تاریکی میں قدم رکھا۔ اُسی ذات میں جی اُٹھ کر وہ اپنے شاگردوں کو دکھائی دیا۔ اور پھر اُسی جسم کے ساتھ جو اب پست حال نہیں۔ بلکہ اُس کا جلالی جسم بن گیا وہ آسمان پر چڑھ گیا۔ وہ ابد تک خُدا اور انسان ہو کر آسمان پر سلطنت کرتا ہے۔ وہ جو ہر طرح سے مگر بغیر گناہ کے ہماری ذات تھی خُدا کی دہنی طرف بیٹھ گئی ؛

ہم مسیح کی صعود یافتہ انسانیت میں انسان کا حقیقی انجام دیکھتے ہیں۔ ہماری موجودہ ناتوانی اور نادانی اور بے ثباتی کی حالت میں یہ درجہ نہایت عظیم معلوم ہوتا ہے بلکہ اُس تک پہنچنا ناممکن نظر آتا ہے۔ مگر جس طاقت نے اُسے زندہ اور سرفراز کیا وہی ہمیں بھی جلا کر سربلند کریگی۔ کیونکہ "وہ اپنی اُس قوت کی تاثیر کے موافق جس سے سب چیزیں اپنے تابع کر سکتا ہے ہماری پست حالی کے بدن کی شکل بدل کر اپنے جلال کے بدن کی صورت پر بنائیگا"۔ باوجود انسان کی کمزوری اور بے ثباتی کے اُسے جلالی مسند عطا کی گئی ہے "۔ انسان کیا ہے کہ تُو اُس کی یاد کرے اور آدم زاد کیا کہ تُو اُس کی خبر لے ؟ تُو نے اُس کو فرشتوں سے تھوڑا ہی کم کیا ہے"۔ آنے والی زندگی کی اُس جلالی حالت میں نجات یافتہ انسان فرشتوں سے کسی قدر افضل ہوگا۔ کیونکہ ہر ایک خریدا ہُوا انسان جو اس دُنیا کے گناہوں اور مصیبتوں

کی بھٹی میں سے ہو کر نکل آیا ہے اور مسیح نے اُس کو پالیا ہے ایسے مخلوق سے برتر ہوگا جس نے گرنے کی حالت نہیں دیکھی۔

جب ضعیف العمری کی ماندگی یا دُکھ بیماری کی تھکان یا تنہائی کا سردِ غبار تمہیں آ دبائے۔ یا جب روزمرہ کی آزمائشیں تم پر حملہ آور ہوں۔ یا گذرے گناہوں کی یاد تمہارے جگر کو جلا رہی ہو۔ تب اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اُٹھا کر دیکھو کہ انسان کی خلقت کا مقصد کیا ہے۔ اور وہ کیا بن سکتا ہے۔ اور پھر اُس بلند معراج تک پہنچنے کے لئے زندگی بسر کرو۔

۴۔ کلیسیا کی فتح اور راستبازی کی بادشاہت

مصیبت زدہ اور ذلت رسیدہ اور رد کیا ہوا مسیح اس وقت سرفراز اور جلالی مسیح ہے۔ وہ قدرت کے دہنے ہاتھ بیٹھا ہے۔ اور اُس کا چھدرا ہوا ہاتھ دُنیا پر سلطنت کر رہا ہے۔ ہمیں اپنے چاروں طرف مسیح اور اُس کی کلیسیا کی فتحیابی کا بہت تھوڑا ثبوت نظر آتا ہے۔ کلیسیا مسیح کا انکار کرنے والی بدعتوں کے باعث پریشان حال دکھائی دے رہی ہے اور تفرقوں کے خاروخس سے اُس کا دامن چاک ہے۔ جس دُنیا کو مسیح نے اپنا محبت اور انصاف کا قانون عطا کیا اُس زمین پر صلح اور آدمیوں سے رضامندی، لالچ اور شہوت اور عداوت اور ظلم کے شیاطین نے اُسے پھاڑ ڈالا ہے اور جو بادل مسیح کے تخت کے چاروں طرف ہے وہ اُس بادل سے جس نے اُسے کوہ زیتون پر اُس کے شاگردوں کی نظر سے چھپا لیا تھا کہیں زیادہ سیاہ اور سرد ہے اُس کے آنے کے آثار کہاں ہیں؟ اُس کی سلطنت کی فتوحات کہاں گئیں؟ جیسا ایک گیت میں ہم گاتے ہیں "دُنیا ہمارے خداوند کو اب تک رد کرتی۔ اور اُس کا

انکار کرتی ہے۔ اور زیادہ تر لوگ اب تک اُس سے غافل ہیں اور تھوڑے ہیں جنہوں نے اُس کو اپنا بادشاہ بنایا ہے۔" لیکن یہی رد کیا ہوا مسیح خدا کی دہنی طرف کائنات کی کشتی کا ناخدا ہے۔ جب وہ عالمِ بالا پر چڑھا تو قیدیوں کو ساتھ لے گیا۔ جن طاقتوں اور حکومتوں اور شخصوں نے اپنی کامیاب حکمت عملیوں سے لوگوں کو اسیر کر رکھا تھا اور جو اسوقت لوگوں کو اسیری میں رکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں درحقیقت اُن کی لُوٹ کا مال اُن سے چھین لیا گیا ہے اور وہ خود اسیر ہو گئے ہیں۔ شیطان کے قلعے کی جڑ بن کھوکھلی کر ڈالی گئی ہیں، اور اُسکی بُنیادوں کی بیخکنی کی گئی ہے۔ بس ہماری نجات کے کپتان کے ہاتھ سے چھُونے کی دیری ہے۔ یہ قلعے مسمار ہو کر برباد ہو جائینگے۔

جب جولیئن مرتد جس نے بُت پرست معبودوں کے مذبحوں پر دوبارہ قربانیاں چڑھانے اور مسیحیت کو تباہ کرنیکا تہیہ کر لیا تھا۔ ۳۶۳ء میں اپنی فوج کو لیکر فارس پر معرکہ آرائی کرنے جا رہا تھا تو فوج کے ایک سپاہی نے کسی مسیحی سے جسکو لشکری بُرا بھلا کہہ رہے تھے پُوچھا کہ "اب تمہارا بڑھئی کہاں ہے؟" مسیحی نے جواب دیا کہ وہ تمہارے شہنشاہ کا تابوت تیار کر رہا ہے۔ چند مہینوں کے بعد جولیئن کو جنگ میں مُہلک زخم لگا۔ فوج میں افواہ اُڑ گئی کہ وہ زخم رُومی فوج کے کسی مسیحی سپاہی کے ہاتھ سے لگا ہے۔ ایک مؤرخ کے بیان کے مطابق جولیئن نے یہ جان کر کہ میرے مرنے کا وقت آ پہنچا اپنا ہاتھ اُس زخم کے لہُو میں ڈبویا اور خُون کو آسمان کی طرف پھینک کر کہا کہ "اَے گلیل کے رہنے والے تُو غالب آیا ہے"۔ ہاں ناصرت کا بڑھئی خدا کے دہنے ہاتھ سرفراز ہو کر اس دُنیا کے سب بادشاہوں اور سلطنتوں کے لئے تابوت تیار کر رہا ہے۔ وہ یکے بعد دیگرے اُٹھتے اور گرتے رہینگے مگر مسیح کی سلطنت ابدی سلطنت ہے جو کچھ اُس کے زیرِ فرمان اور تابع نہیں ہے تباہ ہو جائیگا۔ جو کچھ اُسکا ہے وُہی باقی رہیگا۔

نواں سوال

کیا مسیح پھر آئیگا؟

"جب تک وہ نہ آئے"۔ (۱۔کرنتھیوں ۱۱: ۲۶)

دُنیا نے آخری دفعہ مسیح کو اُس وقت دیکھا جب وہ مرا ہُوا کلوری کی صلیب پر لٹک رہا تھا۔ مگر اُس کے شاگرد بیان کرتے تھے کہ وہ مسیح جو مر گیا تھا قبر سے جی اُٹھا ہے اور چالیس دن تک اُن کو دکھائی دیتا رہا اور بہت سے ثبوتوں سے اپنے آپ کو زندہ ظاہر کرتا رہا ہے۔ اس عرصہ کے بعد وہ آسمان پر چڑھ گیا اور بدلی نے اُسے اُن کی نظروں سے چھپا لیا مگر وہ شاگرد اُس کے غائب ہو جانے کے باعث مغموم یا مایوس نہ ہُوئے بلکہ وہ بڑی خوشی سے یروشلیم کو لَوٹ گئے۔ اور ہر وقت ہیکل میں حاضر ہو کر خُدا کی حمد کیا کرتے تھے۔ اُس خوشی کا راز کیا تھا؟ کیسی عجیب بات ہے کہ جب اُن شاگردوں کا خُداوند اُن سے اُٹھا لیا گیا تو وہ خُوشی مناتے ہیں۔ اس کا راز یہی تھا کہ وہ اُس کے پھر آنے کی اُمید رکھتے تھے۔ مسیح نے اپنی مَوت سے پیشتر اور شاید اُس وقفہ میں جو اُس کے جی اُٹھنے اور آسمان پر چڑھ جانے کے درمیان تھا شاگردوں کو اپنے زمین پر لَوٹ آنے کے متعلق تعلیم دی ہوگی تو بھی تعلیم پانا اَور بات ہے اور اُس پر عمل کرنا اَور ہے۔ وہ آسمان کی طرف غور سے دیکھ رہے تھے اور جب وہ اُس بدلی پر نظر کر رہے تھے جس نے اُن کے خُداوند کو اُن کی آنکھوں سے چھپا لیا۔ تو نہ معلوم وہ کیا خیال کر

رہے ہونگے۔ اُس وقت دو مرد سفید پوشاک پہنے اُن کے پاس آ کھڑے ہُوئے۔ اور کہنے لگے کہ "اے گلیلی مردو تم کیوں کھڑے آسمان کی طرف دیکھتے ہو؟ یہی یسُوع جو تمہارے پاس سے آسمان پر اُٹھایا گیا ہے اِسی طرح پھر آئیگا جس طرح تم نے اُسے آسمان پر جاتے دیکھا ہے"۔ خُدا جانتا ہے کہ اپنے بچّوں کے ساتھ کس موقعہ پر اَور کیا بات کرنی چاہیئے۔ جب ہمارے دِلوں کو اُس کے فرشتوں کا پیغام سُننے کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ آتے ہیں۔ جب اُن فرشتوں کی تسلّی آمیز باتیں ہنوز اُن کے کانوں میں گُونج رہی تھیں تو وہ خُوشی اور اُمید سے معمُور ہو کر یرُوشلیم کو لَوٹ گئے۔ تھوڑے دِنوں کے بعد رُوح القُدس اُن پر نازل ہُوا اَور مسیحی کلیسیا نے دُنیا میں اپنی خدمت شرُوع کر دی +

ہمارے خُداوند کے دوبارہ آنے کا وعدہ مسیحی مکاشفہ میں ایسی منزلت رکھتا ہے کہ یہ سوال کرنا کہ کیا مسیح پھر آئیگا گویا یہ کہنا ہے کہ کیا عہدِ جدید قابل اعتبار ہے یا کیا مسیحیت برحق ہے؟ اگر مسیح پھر نہیں آئیگا تو اِن دونوں سوالوں کا جواب نفی میں ہوگا۔ جیسا ایک موقعہ پر کینن لڈّن صاحب نے سینٹ پال کے بڑے گرجے میں وعظ کرتے ہُوئے فرمایا کہ "اگر مسیح پھر جلال کے ساتھ آنے والا نہیں ہے تو اس بڑے گرجے کو مقفل کر دو"۔ پولُس کا قول ہے کہ اگر مسیح جی نہیں اُٹھا تو مسیحیّت کی منادی بے فائدہ ہے۔ اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر مسیح پھر جلال کے ساتھ آنے والا نہیں ہے تو مسیحیّت کی منادی بے فائدہ ہے کیونکہ ہم اُس بات کی مُنادی کرتے ہیں جو راست نہیں ہے +

عام محاورے میں عہدِ جدید کی اس تعلیم کو مسیح کی "دوسری آمد" کہا

جاتا ہے۔ لفظ ”دوسری“ مسیح کی جلالی آمد کو اُس کی پست حالی کی آمد سے جب وہ بیت لحم میں کنواری مریم سے پیدا ہوُا امتیاز کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر بائبل میں ”دوسری آمد“ کا کہیں ذکر نہیں ہے وہاں صرف اُس کی آمد۔ یا خُداوند کی ”حضُوری“ کا ذکر ہے۔ یہ ماجرا ایسی بھاری وقعت رکھتا تھا کہ اُس کے معنے اور شان کی نسبت کچھ شُبہ نہیں ہو سکتا تھا آج کے دن اُن مسیحیوں کی خاطر جنہوں نے اس مسئلے کا ذکر نہ سُنا ہو اور اگر سُنا ہے تو اپنی روزمرّہ کی زندگی میں اس کا کچھ مطلب نہیں دیکھتے یہ بتانا بے محل نہ ہوگا کہ خُداوند کی آمد کا اعتقاد پاک کلیسیائے جامع کے ساکرمنٹوں اور رسوم اور دُعاؤں اور عقائد میں پایا جاتا ہے۔ جب دُعائے ربانی میں ہم کہتے ہیں کہ ”تیری بادشاہت آئے“ تو اس میں ہم مسیح کی آمد کے لئے دُعا کرتے ہیں۔ ہم رسُولوں کے عقیدے میں اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں کہ مسیح زندوں اور مُردوں کی عدالت کے لئے آئیگا۔ ہر ایک مسیحی کے دفن کے وقت خادم الدین لاش کو زمین کے سپُرد کرتے ہوئے مسیح کی آمد کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے ”مٹی کو مٹی۔ راکھ کو راکھ۔ خاک کو خاک۔ خُداوند یسُوع مسیح کے وسیلے مُردوں کی قیامت اور آنے والے جہان میں زندگی کا انتظار کرتے ہُوئے جس کی پُرجلال شان کے ساتھ ظاہر ہونے پر زمین اور سمندر اپنے مُردے دے ڈالیں گے۔ اور اُن کے فانی جسم جو مسیح میں سوتے ہیں بدل جائینگے اور اُسکے اپنے جلال کے بدن کی صورت پر بن جائینگے۔“ پھر جب عشائے ربّانی کی رسم ادا کی جاتی ہے تو خادم الدّین شرکاء کو روٹی اور مے دیتے ہُوئے پولُس کے الفاظ میں کہتا ہے کہ ”جب کبھی تم یہ روٹی کھاتے اور اس پیالے میں سے پیتے ہو تو خُداوند کی موت کا اظہار کرتے ہو۔ جب

تک وہ نہ آئے"۔ ہماری سب عبادت ہمارا سارا کاروبار اور ہماری تمام دُعابندگی اُس روزِ عظیم کا انتظار کرتی ہے۔ جب وہ آنے والا ہے +

چونکہ یہ ماجرا مستقبل کے متعلق ہے اور مسیحیت کے باقی تین معجزوں یعنے تجسم اور قیامت اور صعود سے جو گذرے ہُوئے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں مختلف ہے اِس لئے مسیح کی آمد کے اعتقاد کی اُس کے جان نثار حامیوں کے ہاتھ سے بہت بڑی دُرگت ہُوئی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس اعتقاد کو وہ رُتبہ دیا گیا ہے جو کتاب مقدس میں اُس کو حاصل نہیں ہے۔ اس قسم کی زیادتی کے باعث بہت سے لوگ اُس سے منحرف ہو گئے ہیں۔ مگر کوئی وجہ نہیں کہ اس مسئلے کے متعلق اعتقاد کی افراط تفریط کے سبب سے مسیحی ایمان داروں کو اس کے بارے میں تعلیم نہ دی جائے اور وہ اِس سے تسلی اور ہمت حاصل نہ کریں +

آج کے دن جب عقل پرستی اور علم الٰہیات میں جدت پسندی بے نقاب ہو کر اپنے آپ کو ہمارے خُداوند کی دُشمن ثابت کر رہی ہے تو اُس کے شاگرد بجائے صف بستہ ہو کر اپنے دُشمنِ عام کا مقابلہ کرنے لگیں اور مسیح کی آمد کے دن کی بابت اور اُس کے متعلق واقعات کے سلسلے کی نسبت آپس میں جھگڑا کرنے لگیں تو یہ کیسا غم خیز معاملہ ہوگا۔ مناسب ہے کہ بے دینی کی دھمکی کے جواب میں سب فرقوں اور مسیحی کلیسیاؤں کے مومنین مل کر ایک بڑی فوج بن جائیں۔ اس لئے میں قصداً مسیح کی آمد کے بارے میں اُن امور کو نظر انداز کرونگا جو متنازعہ ہیں اور جن کے باعث مسیحی اپنی اپنی پسندیدہ شرح کے مطابق جُدا جُدا ہو گئے ہیں۔ اور اپنے خُداوند کی آمد کے متعلق اُن صداقتوں کا بیان کرونگا جن پر

سب مسیحی متفق ہیں۔ بُنیادی واقعات کے متعلق یہ بھاری موافقت خفیف معاملات میں اختلاف کے مقابلے میں نہایت وزنی ہے۔ مثلاً ہزارہ زمانہ خُداوند کی آمد کے کس موقعہ پر ہے یا کیا وہ صُلح اور خُوبصورتی کی آخری بادشاہت اسی زمین پر ہوگی یا کہیں اَور۔ یہ سب ہلکے درجے کی باتیں ہیں۔ پس مَیں کوشش کرُونگا کہ خُداوند کی آمد کے بارے میں اعتقاد کی وجوہات بیان کروں اور یہ دکھاؤں کہ مسیحی کلیسیا مِل کر بہت صدیوں سے کیوں اس عقیدے کا اظہار کرتی آئی ہے کہ "وہ جہاں سے وہ زندوں اور مُردوں کی عدالت کرنے کو آئیگا"۔

۱۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ مسیح پھر آئیگا اس لئے کہ خود مسیح نے ایسا فرمایا

اگر کسی سچّے مسیحی کو یقین ہے کہ یسُوع نے ایسا کہا کہ مَیں پھر آؤنگا۔ تو اُس کے لئے یہی سند کافی ہے۔ اُس کو کسی اَور شہادت کی ضرورت نہیں۔ مسیح کا اخلاقی پایہ اور بے خطا ہونا اُس کے زندوں اور مُردوں کی عدالت کے لئے پھر آنے کے سوال کے ساتھ وابستہ ہے۔ چاروں اناجیل کے بغور مطالعہ سے معلوم ہو جائیگا کہ یسُوع نے اپنے پھر آنے کے بارے میں کیسا بار بار اور صفائی سے دعوے کیا۔ وہ کہتا ہے کہ مَیں جلال میں فرشتوں کے ساتھ آؤنگا۔ سب لوگ مجھے دیکھیں گے جیسے بجلی پورب سے کوندہ کر پچھّم کو جاتی ہے مَیں بھی ویسے ہی آنے والا ہُوں۔ وہ مہیب استعارات کے ذریعہ بیان کرتا ہے کہ ابنِ آدم کے آنے کے وقت کیا کیا حالات ہونگے۔ مثلاً سُورج تاریک ہو جائیگا۔ چاند روشنی نہ دے گا۔ ستارے آسمان سے گر جائینگے۔ آسمان اور زمین کی قوّتیں ہلائی جائینگی۔

اور تمام کائنات تہ و بالا ہو جائیگی۔ باوجود اِس کے وہ کہتا ہے کہ اُس کی آمد کی بابت کوئی نہیں جانتا کہ کب ہونے والی ہے۔ وہ بنی آدم پر ایسے ناگہانی طور سے آپڑیگی جیسے نوح کے دِنوں میں طوفان آیا تھا اور جیسے رات کے وقت چور آتا ہے۔ ایسی گھڑی جبکہ لوگوں کو گمان نہ ہو وہ آئیگا متی کی انجیل کے آخری حصّے کی نبوی تقریریں وہ یروشلیم کی بربادی اور اُس بڑی مصیبت کے بارے ہیں جو اُس موقعہ پر یہودیوں پر آپڑنے والی تھی پیشگوئی کرتا ہے۔ مگر اُس کے دِل میں اس سے بھی بھاری مصیبت اور غضب الٰہی کا خیال ہے۔ اور خُدا کے قہر کی وہ قریبی آفات اُس آنے والے طوفان کی محض خفیف سی گونج ہیں ۔

مسیح کی بڑی بڑی تمثیلوں مثلاً ہوشیار اور نادان کنواریوں کی تمثیل۔ توڑوں کی تمثیل۔ باغبانوں کی تمثیل جنہوں نے تاکستان کے مالک کے وارث کو قتل کرڈالا اور اشرفیوں کی تمثیل میں خواہ وہ کیسی قیمتی اور مضمون خیز کیوں نہ ہوں سب میں یہ بڑا بھاری سبق پایا جاتا ہے کہ مسیح کا پھر آنا کیسا ناگہاں ہوگا۔ جس کی دُنیا انتظاری نہ کرتی ہوگی۔ اور اُس کے آنے پر کونسی برکات اور آفات ہوں گی۔ مسیح نے اپنے شاگردوں کو اپنی آخری محبت بھری تقریریں اُس وعدے کے ذریعہ تسلّی دی کر تسلّی دینے والا رُوح القدس آئیگا۔ مگر اُس کے بعد اُس نے اُن کو صاف صاف یقین دلایا کہ میں پھر آؤنگا اور تمہیں اپنے ساتھ لے لُونگا۔ اُس کے جی اُٹھنے کے بعد جب پطرس نے یوحنّا کے بارے میں اُس سے دریافت کیا کہ اُس کا کیا حال ہوگا تو یسُوع نے اُس سے کہا کہ خواہ یوحنّا کا حال کچھ ہی ہو تو میرے پیچھے ہولے" اگر میں چاہوں کہ یہ میرے آنے تک ٹھہرا رہے تو تجھ کو کیا ؟ تو میرے پیچھے ہولے"۔

اگر ہمیں یسُوع کی بابت کسی بات کا یقین ہے تو وہ یہ ہے کہ اُس نے فرمایا مَیں اس زمین پر سب کے دیکھتے ہُوئے جلال میں اور آسمانی مخلوقات کے ساتھ پھر آؤنگا۔ اور اُس وقت آدمیوں اور قوموں پر ہولناک عذاب اور مُصیبت ہوگی۔ اگر مسیح پھر آنے والا نہیں ہے تو وہ اخلاقی مسند سے گر جائیگا۔ اور ہم اُس کو خدا مان کر اُس کی پرستش نہیں کر سکتے۔ یہ نظریہ کہ مسیح کے کسی شاگرد نے جو یہودیوں کی اسی مضمون کی تصانیف پڑھنے کا عادی تھا یہ نبوت آمیز تعلیم بعد میں ایزاد کر دی ہرگز اطمینان بخش نہیں ہے۔ اگر کوئی ایسا مسیح نہیں تھا جو کنواری سے پیدا نہ ہُوا ہو اور جس نے معجزے نہ دکھائے ہوں تو کوئی ایسا مسیح بھی نہیں ہے جس نے صاف الفاظ میں زور سے نہ کہا ہو کہ مَیں پھر آؤنگا +

۲۔ ہم مانتے ہیں کہ مسیح پھر آئیگا کیونکہ اُسکے رسُولوں نے کہا کہ وہ آئیگا

لُوقا مسیحی کلیسیا کی تواریخ اُس واقعہ سے شروع کرتا ہے۔ جبکہ مسیح کے صعود کے وقت فرشتوں نے شاگردوں سے کہا کہ یسُوع اُسی طرح پھر آئیگا جس طرح تم نے اُسے جاتے دیکھا ہے۔ رسُولوں کے ہر ایک وعظ میں اس وعدے کی گُونج سُنائی دیتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی پیٹھ دُنیا کی طرف اور رُخ مسیح کی آمد کی طرف ہے۔ اُس کی آمد کے خیال سے اُن کو ایذا اور مصیبت سہنے کی ہمت حاصل ہوتی ہے۔ اسی آمد کو مدِ نظر رکھ کر اُن کو نیکو کاری۔ پرہیزگاری اور راستبازی کی زندگی گذارنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ اور چونکہ وہ آنے والا ہے اور مسیحی مُردوں کو اپنے ساتھ لائیگا۔ اس لئے رنج اور غم کے وقت اُن کے ٹوٹے دِلوں کو تسلّی دی جاتی ہے۔ کسی نے حساب کیا ہے کہ نئے عہد نامے میں

تین سو اٹھارہ مقامات ہیں جن میں صاف صاف یا اشارتاً مسیح کی آمد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر اس عہد جدید کی جلد میں سے وہ سب مقامات قلمزن کر دو۔ جن میں خُداوند کی آمد کا بیان ہے تو باقی ایک عجیب قسم کی کتاب رہ جائیگی جس میں اس کثرت سے رخنے ہونگے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آسکیگا۔ عہدِ جدید کو نہایت سرسری نظر سے پڑھنے والے پر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ رسُولی کلیسیا کے شرکاء کی زور سے بڑھانے والی طاقت کا راز یہی اعتقاد تھا کہ مسیح زمین پر پھر آنے والا ہے اور اُن کو یہ اُمید تھی کہ وہ اُن کے جیتے جی آئیگا۔ اگر یہ مان لو کہ رسُولوں کو اور مسیحی ایمان داروں کو خُداوند یسُوع مسیح کے ظاہر ہونے کی توقع تھی تو اُن کی بے نظیر محنتوں اور شعلہ زن محبّت، اور اُن کا زبردست بہادری کا کام سمجھ میں آسکتا ہے۔ اگر اُن کے اس اعتقاد کا انکار کرو تو اُن کی برداشت کی طاقت اور جو کام اُنہوں نے انجام دیا اُس کا راز سربستہ رہیگا۔ لیکن اگر تم کہو کہ اُنہیں اعتقاد تو تھا مگر وہ غلطی پر تھے اور کہ مسیح کبھی نہیں آئیگا تو گویا تم یہ کہہ رہے ہو کہ مسیحی مذہب باوجود اپنی تمام فتوحات اور سارے فیض بخش تاثرات کے ایک بھاری دھوکے پر مبنی ہے ۔

۳۔ چونکہ ہم راستبازی کے تسلّط کے قائل ہیں ہم مانتے ہیں کہ مسیح پھر آئیگا

عقل اور تجربہ دونوں، شاہد ہیں کہ راستبازی کا تسلّط یعنی زمین پر خُدا کی بادشاہی سوائے مسیح کی آمد کے کبھی قائم نہیں ہو سکتی ۔ پیشتر اس کے کہ ہم اس کی وجوہات بیان کریں اگر ہم مختصر طور پر عہدِ جدید کی تعلیم کا خلاصہ پیش کریں کہ اُس بڑے واقعہ کے لوازمات کیا ہونگے یعنی مسیح کی آمد سے پیشتر اور آنے کے وقت اور اُس کے بعد کیا کچھ وقوع میں آئیگا تو ہمارے خیالات

اُس آمد کے بارے میں صاف ہو جائینگے ÷

متنازعہ امور کی اُلجھن میں پڑنے کے بغیر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اکثر مسیحیوں کا اعتقاد ہے کہ مسیح کی آمد سے پیشتر دُنیا میں انجیل کی مُنادی ہونی ضرور ہے۔ اس خوشخبری کی منادی تمام دُنیا میں ہوگی۔ تاکہ سب قوموں کے لئے گواہی ہو اور تب خاتمہ ہوگا۔ مسیح کی آمد کے وقت یا اُس کے بعد یہودی مسیح کو مان لینگے یا جیسا پولُوس نے کہا "تمام اسرائیل نجات پائیگا"۔ اُس کے آنے سے پہلے لڑائیاں اور لڑائیوں کی افواہیں ہوں گی۔ اور سیاسی اور طبعی عالم میں ہل چل مچ جائیگی۔ پھر مصیبتوں کا زمانہ آئیگا۔ جس میں مسیح کے بندوں کو ایذا دی جائیگی اور جھُوٹے نبی لوگوں کو گمُراہ کرینگے۔ اور بہتروں کی محبت ٹھنڈی پڑ جائیگی۔ اُس وقت بہت سی جھُوٹی افواہیں پھیل جائینگی کہ مسیح آگیا ہے۔ اور جھُوٹے نبی بڑے بڑے نشان اور عجائبات دکھائینگے اور کہینگے کہ "دیکھو۔ مسیح یہاں ہے"۔ خُدا اپنے رحم سے اُس خوفناک زمانہ کو گھٹائیگا۔ آسمان اور زمین پر ہولناک نشان اور خشکی اور تری پر مُصیبت ہوگی۔ تب ابن آدم جلال کے ساتھ آئیگا۔ مسیح کے اس بیان پر پولُوس یہ ایزاد کرتا ہے کہ مسیحی کلیسیا میں بڑی برگشتگی ہوگی۔ اور مسیح کا مخالف یا گُناہ کا مرد ظاہر ہوگا۔ مگر مسیح اور پولُوس دونوں کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ بدی کسی ایسے شخص یا ایسی جماعت میں ہولناک انتہائی درجے تک پہنچیگی جو گھمنڈ سے اپنے اختیار اور پرستش کے سزاوار ہونے کا دعوےٰ کریگی۔ شرارت کی اس طاقت کو مسیح اپنے آنے پر تباہ کریگا ÷

ہمارے خُداوند کے پھر آنے پر مُردے زندہ کئے جائینگے۔ سب جو قبروں میں ہیں اُس کی آواز سُنینگے مسیحیت نہ فقط انسانی رُوح کے پس از مرگ باقی رہنے کی بلکہ جسم کی قیامت اور تبدیل ہو جانے کی بھی پیشگوئی کرتی ہے۔

مگر وہ آخری حالت مسیح کے پھر آنے کے بغیر ناممکن ہے۔ کیونکہ جب تک وہ نہ آئے مُردے زندہ نہیں کئے جائینگے۔ اسی سبب سے رسُولوں نے غمزدوں کی تسلّی کے لئے خُداوند کی آمد کے مسئلے پر بڑا زور دیا۔ "جیسے آدم میں سب مرتے ہیں ویسے ہی مسیح میں سب زندہ کئے جائینگے۔ لیکن ہر ایک اپنی اپنی باری سے۔ پہلا پھل مسیح۔ پھر مسیح کے آنے پر اُس کے لوگ۔" "خُداوند خود آسمان سے اُتر آئیگا۔ اُس وقت للکار اور مقرّب فرشتے کی آواز سُنائی دیگی۔ اور خُدا کا نرسنگا پھُونکا جائیگا۔ تب مسیح میں مرے ہُوئے جی اُٹھینگے"۔

مُردوں کی قیامت کے بعد عدالت کا بڑا منظر پیش آئے گا۔ چھوٹے بڑے سب خُدا کے حضور کھڑے ہوں گے۔ جو نقشہ عدالت کا مسیح نے پیش کیا اُس میں ساری قومیں اُس کے آگے جمع ہوں گی اور اپنے اپنے انجام کا فیصلہ سنیں گی۔ بعض کو ابدی سزا اور بعض کو خُدا کی بادشاہت میں ابدی راحت نصیب ہوگی۔ تب دُنیا اور اس کے سلسلے کا خاتمہ ہو جائے گا۔ "اُس کے بعد آخرت ہوگی۔ اُس وقت وہ بادشاہت خُدا باپ کے حوالے کر دے گا۔ تاکہ خُدا ہی سب میں سب کچھ ہو"۔ ایک نیا آسمان اور نئی زمین ہوگی۔ اس نئے آسمان اور نئی زمین میں گناہ اور جنگ اور شہوت پرستی اور عداوت اور پرخاش اور غم اور دُکھ اور موت نہیں رہ سکیگی"۔ "اور پھر لعنت نہ ہوگی۔ اور خُدا اور برّے کا تخت اُس شہر میں ہوگا۔ اور اُس کے بندے اُس کی عبادت کرینگے اور اُس کا مُنہ دیکھیں گے۔ اور اُس کا نام اُن کے ماتھوں پر لکھا ہُوا ہوگا۔ اور پھر رات نہ ہوگی۔ اور وہ چراغ اور سُورج کی روشنی کے محتاج نہ ہوں گے۔ کیونکہ خُداوند خُدا اُن کو روشن کریگا۔ اور وہ ابدالآباد بادشاہی کرینگے"۔ کیا یہ خُوبصُورت اور شاندار بادشاہی افلاک کے کسی اور کرّے میں ہوگی یا اسی زمین پر قائم ہونے

والی ہے؟ اُس جگہ کی نسبت لوگوں کے مختلف خیال ہیں۔ مگر خدا کی ابن بادشاہی کی حالت کے بارے میں سب کا کامل اتفاق ہے۔ کہ اس بھاری اور پُر جلال اختتام پر خدا ہی سب میں سب کچھ ہوگا۔

ضروری بات مدنظر رکھنے کے قابل یہی مآل یعنے کاملیت کی حالت ہے جس کے بارے میں بائبل بیان کرتی ہے کہ خداوند کی آمد کے بعد قائم ہوگی۔ انسان کے اندر ہمیشہ سے یہ اُمید موجزن رہی ہے کہ آخر تواریخ کے سلسلۂ دراز کا انجام اعلےٰ اور نیک ہونے والا ہے۔ مگر یہ کاملیت کی بادشاہی کس طرح آئیگی؟ جو شخص اپنی ذات کی حقیقی منزلت تک پہنچ گیا ہے وہ اپنے آپ سے یہ سوال ضرور کریگا۔ اس بھاری سوال کے جواب میں لوگوں کے دو فریق ہو گئے ہیں۔ اوّل وہ لوگ جو مانتے کہ قدرتی ارتقا کے ذریعہ دُنیا کاملیت تک پہنچ جائیگی۔ وہ بتاتے ہیں کہ انسان اب تک کس قدر ترقی کر چکا ہے۔ اور ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ اس بڑے مقصد کی انجام دہی میں ایک دن ہزار برس کے برابر اور ہزار برس ایک دن کے برابر ہیں۔ رفتہ رفتہ حیوانیت انسان کی سرشت سے معدوم ہوتی جائیگی۔ سب بُرائیاں جاتی رہینگی اور راستبازی سے زمین معمور ہوگی جس طرح سمندر پانی سے بھرا ہے۔ ہمیں کسی شدید انقلاب یا سماوی سیلاب کی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔ اور بجائے دوران ترقی میں بڑی بھاری برگشتگی یا بازگشت کے خدا کی بادشاہت بتدریج آئیگی تاوقتیکہ دُنیا اُس بہت دُور کے عظیم الشان واقع تک نہ پہنچ جائے جس کی طرف ساری خلقت کا رُخ ہے۔ ایک خاص خیال کے مسیحی کتاب مقدس کی تعلیم کے سراسر خلاف اس قسم کی توقع میں متفق ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر شیلر میتھیوز صاحب فرماتے ہیں کہ "مسیح کو انسانی معاملا

کے تحت لے آنا یہی زمین پر خُدا کی بادشاہی کی حقیقی آمد ہے، یہی ابتدائی مسیحیوں کے نقوش اور الہامی نشانات کے استعمال کا اصلی مطلب تھا۔ یہی مسیح کی حقیقی آمد ہے"۔ اسی طرح ڈاکٹر فوسڈک صاحب ایک مسیحی جماعت کا بیان کرتے ہیں "جو مسیح کی آمد کا مطلب یوں سمجھتی ہے کہ مسیح کے ارادے اور اصول خُدا کے فضل کے ذریعہ انسان کی زندگی اور انتظام میں ضرور پورے ہونگے خواہ وہ سُست رفتار سے پورے ہوں۔ تاوقتیکہ اپنی جان ہی کا دُکھ اُٹھا کے وہ اُسے دیکھیگا اور سیر ہوگا" غرض دُنیا اُن طاقتوں کے ذریعہ جو بنی نوع انسان میں ساکن ہیں رفتہ رفتہ بدل جائیگی +

کاملیت کی طرف بنی آدم کی اس ترقی کا اعتقاد اب ویسا مضبوط نہیں ہے جیسا پیشتر ہُوا کرتا تھا۔ بلکہ بجائے اس خوشگوار اعتقاد کے بہت سے مقامات میں ایک قسم کی خشک مایوسی چھا گئی ہے۔ طبیعات کے عالموں کے نقطۂ خیال سے بھی یہ امر یقینی نہیں ہے کہ ہم کاملیت کی طرف ترقی کر رہے ہیں۔ علم حشرات الارض کے نامی فرانسیسی ماہر فیبر صاحب کوئی نشان نہیں دیکھتے جس سے ثابت ہو کہ ارتقا کا سلسلہ کاملیت تک پہنچا دیگا۔ آپ کے خیال میں یہ عمل بہت دُور بلندی تک نہیں لے جا سکتا کیونکہ ہمارے ماتھے پر کلنک کا ایسا ٹیکہ لگا ہے جو مٹنے والا نہیں۔ یہ ایک قسم کا جبلی گُناہ اور ایسا معاملہ ہے جس میں ہمیں کوئی دخل نہیں۔ ہم ایک خاص نمونے پر بنائے گئے ہیں اور کسی طور سے اپنے آپ کو بدل نہیں سکتے"۔

آج کے دن دُنیا کی تواریخ اور حالت میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے اُمید پیدا ہو سکے کہ یہ قدرتی ارتقا کاملیت تک پہنچا دیگا۔ کیونکہ بدی ہمیشہ طاقتور رہے۔ اور تباہ کُن طاقتیں ساخت کی طاقتوں کا ہمیشہ مقابلہ

کرتی ہیں۔ لیکن اگر ارتقا کی رفتار کے ذریعہ بنی آدم کی فطرت کسی طرح سے بدل جائے تو بھی یہ کامل انسان ایک ناکامل عالم میں رہ جائیگا۔ کیونکہ خالص قوتوں اور طاقتوں میں کوئی ایسی بات نہیں جو انسان کے قدرتی دشمنوں کو تباہ کر کے اس زمین کو اس کی بود و باش کے لائق کامل جگہ بنا سکے جیسا کہ فادر ٹرل نے فرمایا کہ "کیا کبھی ترقی سب آنکھوں سے آنسو پونچھ ڈالیگی؟ کیا وہ کبھی محبت اور غرور اور بلند نظری اور ان کے ہمرکاب رنج والم کو مٹا دیگی؟ ترقی کا عمل خواہ عمر کو کتنا ہی دراز کرے کیا وہ مرتے ہوئے انسان کے دل سے موت کا ڈر مٹا سکتا ہے؟ کیا وہ پسماندوں کے آنسو خشک کر سکتا ہے؟ کیا وہ کبھی زلزلہ اور طوفان اور بجلی اور فطرت کی سنگدلی کو جو انسان کی تقدیر کی نسبت بے پروا ہے تابع کر سکتا ہے؟

اس قدرتی ارتقا کا سلسلہ بنی آدم کو سوائے زمانہ ماضی کے ایک ہی طرح کے لا انتہا چکروں میں سے عبور کرانے کے کبھی خوشی کی معراج تک نہیں پہنچا سکتا۔ بجائے اس کے مسیحی مکاشفہ خداوند کی آمد کے بارے میں ہمیں بتاتا ہے کہ نئے آسمان اور نئی زمین میں ایک نیا مخلوق ہوگا۔ یہ تبدیلی کسی فطرتی یا لازمی ترقی سے نہیں بلکہ مسیح کے زبردست توسط اور موجودہ نظام کی معطلی سے ہوگی۔ اس کی تیاری کے لئے عرصہ دراز کی مسیحی تعلیم اور منادی اور اخلاقی تلقین درکار ہیں فصل کے وقت تک گیہوں کو بڑھتے جانا ہے۔ مگر ساتھ ساتھ کڑوے دانے بھی بڑھینگے۔ ہمیں بدی کے خلاف جنگ کرنا اور مسیح کی گواہی دینا ہے۔ مگر ہمیں یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ بدی معدوم ہو جائیگی۔ یا فصل کے وقت تک یعنے مسیح کی آمد تک قطعی طور پر نیکی سے علیحدہ ہو جائیگی۔ چنانچہ اس کی گہری تعلیم کا یہی مطلب تھا جب اس نے

فرمایا کہ "خدا کی بادشاہت ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے۔ اور وہ بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے۔ زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے۔ پہلے پتی۔ پھر بالیں۔ بعد اس کے بالوں میں تیار دانے۔ پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی چلاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آپہنچا"۔

یسُوع بجھے ہوئے سُورج اور دُھندلے چاند اور گرتے ہوئے ستاروں کے ہولناک استعارے استعمال کرتا ہے۔ خواہ اُن کا مطلب کچھ ہی ہو مگر اُن سے یہ اُمید پیدا نہیں ہوتی کہ دُنیا بتدریج ترقی کرتے کرتے کاملیت تک پہنچ جائیگی۔ دُنیا کامل تو ہو جائیگی مگر فقط اُسی وقت جب خدا مسیح کے بھاری توسط سے انسانی تواریخ کو عروج تک پہنچا دیگا یعنی جب مسیح زندوں اور مُردوں کی عدالت کرنے آئیگا۔ انسانی تواریخ کا ایسا عجیب اور ناگہانی خاتمہ مسیحی مکاشفہ اور انسان کی طبعی عقل کے عین مطابق ہے۔ اگر مسیح کی کلیسیا اس دُنیا میں حق پر گواہی دینے اور حق کی منادی کرنے اور حق کی خاطر جانفشانی کرنے اور دُکھ سہنے کے لئے ہے تو یہ بھی معقُول اور قُدرتی ہے کہ خُدا کی جس بادشاہی کی کلیسیا شاہد ہے اُس کا مؤید کوئی آخری واقعہ بھی ہو۔ بشپ گور صاحب فرماتے ہیں کہ مسیح کی عدالت آخری خدا کی عدالت ہوگی جو ہر قسم کی بدی اور ظلم اور شہوت پرستی کے خلاف جزوی یا مقامی نہیں بلکہ ساری دُنیا میں عالمگیر ہوگی۔

شاگردوں نے یسُوع سے ایک نہایت معقُول سوال پُوچھا۔ کہ "تیرے آنے اور دُنیا کے آخر ہونے کا نشان کیا ہوگا؟" اُنہوں نے اُس کی آمد کو موجودہ نظامِ عالم کے اختتام کے ساتھ منسلک کر دیا ہے۔ عقل گواہی

دیتی ہے کہ موجودہ نظام کا خاتمہ ضرور ہوگا۔ انسان کے خیال کے بموجب جیسا ابتدا میں "ضروری ہے ویسے ہی "اُس وقت خاتمہ ہوگا" بھی ضروری ہے۔ یہ ہمارے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا کہ کائنات کا موجودہ سلسلہ اور نیکی اور بدی کا مدوجزر ابد تک قائم رہیگا۔ نہ ہم یہ خیال کر سکتے ہیں کہ ترقی کا لازمی اور زبردست قانون انسان کی اخلاقی ذات کو یا سطح زمین کو جس پر وہ بود و باش کرتا ہے تبدیل کر دیگا۔ یہ فقط مسیحیت ہی ہے۔ جو خداوند کی آمد کے وعدے کے ساتھ جب سب چیزیں نئی ہو جائینگی یہ بھی بتاتی ہے کہ یہ خاتمہ کیوں کر ہوگا۔

جیسے کہ خداوند کی آمد ہی بدی کی طاقتوں کو شکست دینے اور راستی کی حمایت کرنے اور صداقت اور انصاف کے قائم ہونیکا ذریعہ ہے۔ یہ بھی خداوند کی آمد کے وسیلے ہی سے ہے کہ مسیح کے پیروؤں کے ایک وسیع اور پیوستہ خاندان میں مل جانے کی تدبیر کی گئی ہے۔ فرضاً اگر آخرکار دُنیا ترقی کرتے کرتے کاملیت تک پہنچ جائے تو کیا اس سے ہمارے دل کی آرزو پوری ہو جائیگی؟ نہیں۔ ہمیں پھر بھی اپنے مرحوم عزیزوں سے ملنے کی تمنا رہ جائیگی۔ اِس انسانی کھیل کا خاتمہ جس سے دِل کو تسکین ہو سکتی ہے ضرور ایسا ہونا چاہئے کہ سب حقیقی ایماندار ایک دُوسرے سے اور مسیح سے مل جائیں کیا کوئی مسئلہ ارتقاء کا ماننے والا قیاس کر سکتا ہے کہ کبھی موت ہستی کے ارتقا کا نتیجہ ہوگی؟ کیا انسانی ترقی موت کی جُدائی کو مٹا ڈالیگی؟ اگر دُنیا میں ہر ایک آدمی مسیح پر ایمان رکھنے والا ہو تو بھی زندہ ایمانداروں اور انتقال یافتہ مومنین کے درمیان جُدائی کی دیوار حائل رہیگی۔ ایمان ہم کو ملا دیتا ہے مگر تو بھی ہم زمانہ کی حدِ فاصل اور موت کو محسوس کرتے ہیں مگر موت بھی ہم کو جُدا نہیں کریگی۔ بلکہ موت کا خاتمہ ہو جائیگا۔ اور سارے ایماندار مل کر ابد تک ایک ہی گھر میں اپنے ایک ہی خداوند اور مسیح کے ساتھ رہینگے اس لئے ہم دُعا کرتے ہیں کہ "اے خداوند یسوع آ" اس آرزو کے پُورا ہونے کے ساتھ انسانی تواریخ کا خاتمہ ہو جائیگا اور خُدا ہی سب میں سب کچھ ہوگا۔

دسواں سوال

کیا یسوع اور پولوس کی تعلیم میں اختلاف ہے؟

"میں اس لئے تجھ پر ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے اُن چیزوں کا بھی خادم اور گواہ مقرر کروں جن کی گواہی کے لئے تو نے مجھے دیکھا ہے اور اُن کا بھی جن کی گواہی کے لئے میں تجھ پر ظاہر ہوا کرونگا"۔ (اعمال ۲۶ : ۱۶)

مسیحی مذہب کی ایک نہایت عجیب قابلِ لحاظ بات یہ ہے کہ اس کو بدنام کرنے کی غرض سے اس پر قسم قسم کے مختلف حملے کئے گئے ہیں۔ ہر جانب سے مسیحی ایمان کے قلعے پر یورش کی گئی ہے۔ مگر سب مخالف مغلوب اور پریشان ہو کر گر گئے ہیں۔ ایک فوج اس کی نبوتوں اور پیشگوئیوں پر حملہ آور ہوئی ہے۔ دوسری اس کے معجزوں پر یا عہدِ عتیق یا عہدِ جدید پر۔ ایک اور نے اعجازی اور فوق العادت عنصر پر جو مسیحیت کے ساتھ محکم طور سے وابستہ ہے۔ حملہ کیا ہے۔ پھر کسی نے اس کے بانیٔ مذہب کے تواریخی شخص ہونے یا اُس کی الوہیت یا اُس کی معجزانہ پیدائش یا اُس کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے یا اُس کے صلیب پر دُنیا کا کفارہ اور عوضی ہونے کے لئے مرنے یا اُس کے دُنیا کی عدالت کے لئے پھر آنے کو اپنے حملوں کا نشانہ بنایا ہے۔ فی زمانہ حملے کا ایک پسندیدہ طریق یہ ہے کہ عوام کے دل میں یسوع اور اُس کے سب سے بڑے رسول پولوس کے درمیان مخالفت اور نامطابقت کا خیال پیدا کرنے کی کوشش

کی جا رہی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ مسیحی مذہب کا بانی تو یسوع ہے مگر مسیحی علم الٰہیات کا پیدا کرنے والا پولوس ہے۔ اور "مسیحی کلیسیا کی بنیاد یسوع مسیح کی بنیاد پر نہیں بلکہ پولوس کی تھیالوجی پر ہے۔ جس نے اناجیل میں سے یسوع کے سادہ قصّے کو لے کر اُس پر گناہ اور نجات اور ایمان کے بہت سے خیالی مسائل جڑ دیئے جن کی مسیح نے کبھی تعلیم نہ دی۔ گلیل کے دیہاتی اُستاد کو پولوس نے ایک بڑے سردار کاہن کی صورت میں بدل دیا۔ جو اپنے آپ کو قربانگاہ پر جہان کے گناہوں کے لئے قربان کر دیتا ہے۔ اس طور سے آغاز ہی میں پولوس نے کلیسیا کو راہِ راست سے منحرف کر دیا۔ اور اب ہمارا اوّل فرض یہ ہے کہ اُس کے اثر سے پیچھا چھڑا لیں۔ اور اُس کے مسائل کو ترک کر کے پھر یسوع کی طرف رجوع کریں۔

ڈاکٹر ویڈر صاحب نے اپنی ایک تازہ تصنیف میں یسوع اور پولوس کے درمیان اس بیان کردہ ناموافقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے "یہ جو کہا جاتا ہے کہ یسوع ناصری نے اپنی خدمتِ صرف وہاں کے بارہ آدمیوں کی تعلیم میں صرف کی اور اس تعلیم کو راہِ زندگی قرار دیا۔ اور دُنیا سے چلے جانے کے بعد ہی اُس نے فوراً ایک اور آدمی کو اپنی طرف سے مبلغ اور خاص مستند ذریعۂ تکلم مقرر کیا اور اپنے اس نئے نمایندہ کے وسیلے اپنی زندگی بھر کی تعلیم کا بہت سا حصّہ رد کر دیا۔ یعنی اپنی سادہ اخلاقی تعلیم کی بجائے تھیالوجی کے قیاسی خیالات کا پیچیدہ مجموعہ رکھ دیا۔ جس سے خدا کی بادشاہت کی منادی کی جگہ تھیالوجی کا سلسلہ انجیل بن گیا۔ یہ قیاس ایسا بے سر و پا اور ناقابلِ یقین ہے کہ تعجب آتا ہے کہ اس کا حامی کوئی کیونکر ہو سکتا ہے۔ کون مان سکتا ہے

کہ آسمانی مسیح نے پولوس کے ذریعہ کوئی ایسی تعلیم دی جو اُس تعلیم سے جو زمینی مسیح نے بارہ رسُولوں کو دی اس قدر مختلف ہے؟ بلاشبہ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ مابعد کی صدیوں کی کل کلیسیا نے پولوس کو یسوع کی بجائے مسیحیت کا مستند اُستاد قرار دینا شروع کر دیا۔ یعنی پولوس کی تعلیم چُپکے سے یسوع کی تعلیم کی جگہ رکھ دی گئی۔ کلیسیا کے بڑے بڑے الٰہیات کے معلموں مثلاً اتھاناسئیس اور آگسٹن اور انسلم اور اقوانیس اور میلنگتھن اور کالوین میں سے کسی نے کبھی اپنی تعلیم کا بڑا حصّہ مسیح کے کلمات سے اخذ نہ کیا۔ کیتھلک یا پروٹسٹنٹ علماء سب کے سب بلا استثنیٰ پولوس کے مفسّر ہیں"۔

مسیحی تعلیم کے خلاف اس دعوے میں ایک بات قابلِ تعریف ہے کہ خلاف معمول سابق بجائے ویسٹ منسٹر کے عقاید نامے یا کالوین یا لوتھر یا آگسٹین کی تحریرات پر حملہ کرنے کے مصنف مذکور برملا اقبال کرتا ہے کہ ان اشخاص کی تعلیم کا مخرج پولوس تھا۔ اس مصنف اور جدید تھیالوجی کے دیگر پیرووں کے مطابق پولوس سخت غلطی پر تھا اور اُس کی اور یسوع کی تعلیم میں کوئی بات مشترک نہیں باوجود اس کے ہم ان حضرات کے شکر گزار ہیں کہ اُنہوں نے معاملے کو صاف کر دیا ہے اور اب بجائے عقائد ناموں اور کالوین اور آگسٹین اور علم الٰہیات کے معلموں کے خلاف زہر اُگلنے کے وہ صفائی سے کہتے ہیں کہ پولوس مسیحی تھیالوجی کا سرچشمہ ہے۔ اور یسوع اور پولوس کی آپس میں موافقت نہیں ہو سکتی :۔

مشہور دہریہ رینن اپنی کتاب "مقدس پولوس کی سوانح عمری" کے آخری باب میں رقمطراز ہے کہ "حقیقی مسیحیت جو ابد تک رہے گی پولوس کے خطوط میں نہیں بلکہ انجیلوں میں پائی جاتی ہے۔ پولوس کی تصانیف خطرے کا باعث اور چھپی چٹان ہیں، اور مسیحی تھیالوجی کے بڑے بڑے نقص اُنہیں سے واقع

ہوئے ہیں۔ پولوس تیز فہم آگستین اور خونخوار تھیالوجی کا باپ ہے۔ جو لعنت کا فتوےٰ دیتی اور جہنم کی سزا مقدر میں ٹھہرا دیتی ہے۔ بمقابلہ اس کے یسوع اُن سب کا باپ ہے جو اُس کے کامل نمونے کے تصورات میں اپنی رُوحوں کے لئے آرام ڈھونڈھتے ہیں"۔

چونکہ بلا شبہ پولوس کے خیالات مسیحی تھیالوجی میں غالب درجہ رکھتے ہیں اور اُس کی تصانیف عہدِ جدید کا بڑا حصہ ہیں جن کو سب مسیحی اپنے ایمان کا دستور العمل مانتے ہیں۔ یہ الزام کہ پولوس یسوع سے اختلاف رکھتا ہے اور ایسی تعلیم دیتا ہے جو نہ یسوع نے دی اور نہ دیتا نہایت سخت ہے اور اس لائق ہے کہ پوری توجہ سے اُس کی تحقیق کی جائے اس لئے اب ہم یسوع کی تعلیم کا پولوس کی تعلیم کے ساتھ مقابلہ کر کے دکھائینگے کہ یہ الزام سراسر بے بُنیاد ہے۔ اور یسوع اور پولوس میں کامل اتفاق ہے۔ اور کہ پولوس کوئی ایسی بات نہیں سکھاتا جو یسوع نے نہ تو سکھائی اور نہ کبھی پولوس کو سکھانے کی اجازت دیتا۔

اب چونکہ پولوس کے خلاف شکایت کی جاتی ہے کہ اُس نے یسوع کی تعلیم پر کچھ بڑھا دیا اور اس طور پر وہ ایمان کے اصلی دستور العمل سے منحرف ہو گیا اس لئے بجائے اس کے کہ ہم مسیح کی تعلیم کو لے کر دیکھیں کہ پولوس کا اُس کے ساتھ اتفاق ہے یا نہیں ہم اوّل پولوس کی تعلیم کو لینگے۔ کہ کیا یسوع نے وہی تعلیم دی یا نہیں۔ الزام یہ نہیں ہے کہ جو کچھ یسوع کی تعلیم میں پایا جاتا ہے وہ پولوس کی تعلیم میں موجود نہیں ہے بلکہ یہ کہ جو تعلیم پولوس نے دی وہ یسوع کے کلمات میں پائی نہیں جاتی۔

۱۔ پولوس اور پہلے رسولوں کی گواہی

پیشتر اس کے کہ ہم اس تحقیق اور مقابلے کو شروع کریں۔ یہ کہہ دینا ضرور ہے کہ پولوس کی اپنی گواہی اس کے متعلق کہ اُس نے اپنی تعلیم کہاں سے حاصل کی نہایت قابلِ لحاظ ہے۔ خواہ پولوس سچا آدمی تھا یا جھوٹا اُس کے نہایت روشن دماغ ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ اور وہ صاف الفاظ میں کہتا ہے کہ جس انجیل کی وہ منادی کرتا تھا۔ اُس نے خود یسوع سے پائی۔ دمشق کے رستے پر اُس کے تبدیلِ قلب کا حال تین مرتبہ بیان کیا گیا ہے۔ ان تین بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ یسوع نے اُسے کہا کہ مَیں نے تجھے چُن لیا ہے کہ تُو قوموں کے درمیان میری گواہی دے اور میری انجیل کی منادی کرے۔ یقیناً پولوس کا ہرگز گمان نہ تھا کہ وہ سوائے اُس کے کسی اَور بات کی منادی کر رہا ہے جس کا یسوع نے اُسے اختیار دیا تھا۔ دُوسرے مقام پر وہ کہتا ہے کہ جس خوشخبری کی مُنادی وہ کرتا تھا نہ انسان نے اُسے سکھائی اور نہ انسان سے اُسے پہنچی۔ بلکہ یسوع مسیح کی طرف سے اُس کا مکاشفہ ہُوا۔ پولُوس کی بہت سی تحریروں میں ایک بھی ایسا مقام نہیں جس سے کسی کو گمان ہو سکتا ہے کہ وہ سمجھتا تھا کہ اُس کی انجیل خُداوند یسُوع مسیح کی انجیل سے شمہ بھر بھی فرق رکھتی ہے ؞

ماسوا اِس کے نہ فقط پولُوس ہی کسی ایسی بات سے ناواقف تھا۔ جو مسیحیت کے متعلق اُس کی تعلیم میں اُس کی اپنی ایجاد تھی بلکہ باقی رسولوں کا بھی جو مسیح کی جسمانی حالت میں اُس کے ساتھ رہے تھے اور اُسے تعلیم دیتے سُنا تھا اور اُس کو جی اُٹھے ہُوئے دیکھا تھا۔ یہی حال تھا۔ اور اس وجہ سے اگر وہ پولُوس

کی تعلیم میں کوئی بات مسیح کی تعلیم سے زیادہ یا اُس کے متناقض پاتے تو گرفت کر سکتے تھے۔ پولُوس بیان کرتا ہے کہ یہُودیہ کی کلیسیاؤں نے جب یہ حیرت انگیز خبر سُنی کہ جو ہم کو پہلے ستاتا تھا وہ اب اُسی دین کی خوشخبری دیتا ہے جسے پہلے تباہ کرتا تھا" تو وہ میرے باعث خُدا کی بڑائی کرتی تھیں"۔ دیگر الفاظ میں پولُوس کی مُنادی جس کا حال یرُوشلیم کے مسیحیوں نے سُنا یسُوع مسیح کی پُوری مُنادی تھی۔ جس سے وہ واقف تھے۔ جب پولُوس یرُوشلیم میں آیا اور جس خوشخبری کی منادی وہ کرتا تھا۔ بےکم وکاست بیان کی تو یعقُوب اور پطرس اور یوحنا نے جو کلیسیا کے رُکن تھے اُس کی دستگیری کی۔ اور اُسے غیر قوموں کی طرف خدمت کے لئے روانہ کیا۔ ڈاکٹر ریڈر صاحب اُس اتہام کے متعلق کہ ابتدائی کلیسیا نے اخلاقی معلم یسُوع کی جگہ علمِ الٰہیات کے قیاسی گھوڑے دوڑانے والے اُستاد پولُوس کو رکھ لیا فرماتے ہیں کہ" اُنہوں نے یہ عمل بغیر جانے بُوجھے کیا"۔ صاحب موصوف اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے تھے؟ کیونکہ عہدِ جدید یا ابتدائی کلیسیا کی تصانیف میں کہیں ذرہ بھر اشارہ نہیں ہے کہ پولُوس کی تعلیم یسُوع کی تعلیم سے اختلاف رکھتی ہے۔ حیرت انگیز اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ معاملہ اب تک چھُپا رہا اور اِس زمانہ کے آدمیوں نے دریافت کر لیا ہے کہ یسُوع اور پولُوس کے درمیان ایسا بڑا گڑھا رکھا ہے کہ جس پر پُل باندھنا ناممکن ہے۔ اب یسُوع اور پولُوس کی تعلیم کا امتحان اور مقابلہ کرتے وقت یہ یاد رکھنا ضرور ہے کہ نہ خود پولُوس نے نہ اُس کے ہمعصروں یا مابعد کی صدیوں کے مسیحیوں نے مطلق اِس خیال کا اظہار کیا کہ یسُوع کی انجیل اور اُس انجیل کے درمیان جس کی پولُوس مُنادی کرتا تھا کسی قسم کا اختلاف ہے اور چونکہ خُدا کی پروردگاری سے یوروپ میں مسیحی کلیسیا زیادہ تر ایک آدمی یعنی پولُوس کی محنت سے قائم ہُوئی یہ کہنا کہ پولُوس انجیل کے مضمُون کی نسبت یسُوع سے

اختلاف رکھتا ہے بمنزلہ اس بات کے ہے کہ مسیحی کلیسیا کی بنیاد ایک بڑی بھاری اور نامعقول غلطی پر قائم ہے ٭

۲۔ یسُوع کی ماہیّت

یسُوع کی منزلت کے بارے میں پَولُوس اور یسُوع کی تعلیم ہمرنگ ہے۔ جب پَولُوس دمشق کی سڑک پر گرایا گیا تو یسُوع نے اُس سے پُوچھا کہ "اَے شاؤل۔ اَے شاؤل۔ تُو مجھے کیوں ستاتا ہے"؟ اِس کے جواب میں اُس نے کہا کہ "اَے خُداوند۔ تُو کون ہے"؟ اُس آواز نے جواب دیا کہ "مَیں یسُوع ناصری ہُوں جسے تُو ستاتا ہے"۔ اپنے باہمی تعلقات کے شروع میں یسُوع نے اپنے اُوپر مسیح یا خُدا کا بیٹا یا دیگر بڑے بڑے القاب کا اطلاق نہ کیا۔ جن کو وہ جائز طور پر استعمال کر سکتا تھا۔ بلکہ پَولُوس کے ساتھ بحیثیت یسُوع ناصری کے اپنا تعارف کرایا۔ اس لئے یسُوع کی تواریخی انسانیت یسُوع اور پَولُوس دونوں کی تعلیم میں مُشترک ہے۔ اگر یسُوع کہتا کہ مَیں مسیح یا خرستس ہُوں یا خُدا کا بیٹا ہُوں تو پَولُوس جواب دیتا کہ مَیں کسی ایسے شخص کو نہیں ستاتا بلکہ یسُوع ناصری کو جو خُدا کا بیٹا اور مسیح ہونے کا دعویٰ کرتا ہے ستا رہا ہُوں۔ پس یہ مسیح جو پَولُوس کو دمشق کی راہ پر دِکھائی دِیا وُہی اناجیل کا تواریخی مسیح ہے جو بیت لحم میں پیدا ہُوا اور جس نے ناصرت میں پرورش پائی ٭

پَولُوس اپنے خطوط میں یسُوع کی دُنیاوی زندگی کے حالات کی طرف بہت کم اشارہ کرتا ہے۔ گو اِن اشارات سے واضح ہوتا ہے کہ اُس کو اُن حالات کا پُورا علم تھا۔ اُس کا واسطہ زیادہ تر اُس خُوشخبری کے ساتھ ہے جو تواریخی یسُوع ناصری کے ذریعہ سے مِلی۔ جب پَولُوس کا دِل بدل گیا تو اُس نے پہلے ہی یسُوع کی منادی شروع کر دی کہ وہ خُدا کا بیٹا ہے۔" اور فوراً عبادت خانوں میں یسُوع

کی منادی کرنے لگا کہ وہ خُدا کا بیٹا ہے"۔ پولُوس یسُوع سے عداوت رکھتا تھا اور اُس کو ستاتا تھا۔ فقیہہ اور فریسی بھی اُسے اسی سبب سے ستاتے تھے۔ کہ وہ خُدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ اب تبدیل قلب کے بعد وُہ اپنا رُخ بدل لیتا ہے اور مُنادی کرتا ہے کہ یہی یسُوع خُدا کا بیٹا ہے۔ ایک مقام میں (رُومیوں ۹: ۵) پولُوس یسُوع کو صاف صاف "ابد تک خُدائے محمُود" کہتا ہے۔ وہ یسُوع پر "خُداوند" کے ہولناک لقب کا اطلاق کرتا ہے۔ وہ قریباً ہمیشہ اُسے "خُداوند یسُوع مسیح" کہتا ہے اور یسُوع کے حق میں عہدِ عتیق کے یونانی ترجمے میں سے وہ مقامات استعمال کرتا ہے جن میں اسرائیل کے خُدا کے مقدّس نام کا ترجمہ "خُداوند" کیا گیا ہے۔ پھر وہ بار بار یسُوع کو خُدا کا بیٹا کہتا ہے (دیکھو گلتیوں ۴: ۴ و ۵۔ اور رومیوں ۵: ۸۔ ۱۰ اور ۸: ۳۱ و ۳۲)۔ پولُوس اِس بات کا بیان کرتے ہُوئے کہ اُسے خُوشخبری کہاں سے ملی کہتا ہے کہ انسان سے نہیں بلکہ یسُوع مسیح کی طرف سے ملی۔ اِس طور پر وہ یسُوع ناصری اور بنی آدم کے درمیان امتیاز کرتا ہے۔ عبادت خانوں میں اُس کے وعظ کا خاص مضمون یہ ثابت کرنا تھا کہ یسُوع ہی مسیح ہے وہ نہ فقط یسُوع پر اعلیٰ القاب مثلاً خُدا کا بیٹا اور مسیح اور خُدا کا اطلاق کرتا ہے پر وہ یسُوع کی طرف ایسی طاقت اور کام منسوب کرتا ہے جو خُدا ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ "ساری چیزیں اُسی کے وسیلے سے اور اُسی کے واسطے پیدا ہُوئی ہیں" (کلسیوں ۱: ۱۶) پولُوس کا یسُوع قادرِ مطلق ہے۔ کیونکہ وہ "سب چیزیں اپنے تابع کر سکتا ہے"۔ وہ پیش ہست تھا۔ کیونکہ جب وقت پُورا ہو گیا تو خُدا نے اُسے بھیج دیا اور خُدا کی صُورت پر ہو کر اُس نے اپنے آپ کو پست کیا اور انسان کی شکل اختیار کی۔ وہ دِلوں کا جانچنے والا ہے۔ وہ مُنصفِ عظیم ہے جس کے آگے سب لوگ کھڑے

ہو کر اپنا اپنا حساب دینگے"۔ کیونکہ ضرور ہے کہ مسیح کے تختِ عدالت کے سامنے ہم سب کا حال ظاہر کیا جائے"۔

پس پولوس کا یسوع ناصری کے بارے میں جو دمشق کی سڑک پر اُسے دکھائی دیا اور جس نے اُس کے سارے خیالات اور زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا یہی اعتقاد ہے۔ وہ مجسم ابن اللہ ہے۔ جو جسم میں ظاہر ہوُا۔ وہ خرستنس یعنی مسیح عالموں کا خالق اور ساری دُنیا کا انصاف کرنے والا"۔ ابد تک خدائے محمود" ہے۔ وہ فطرت سے بالاتر اور عالیشان شخص ہے جس کو پولوس پیار کرتا اور جس کی وہ پیروی کرتا تھا اور دُنیا بھر میں جس کی مُنادی اُس نے کی۔

جب ہم اناجیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور پولوس کے مسیح کا انجیلی بیانات کے یسوع کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں تو ہم اُنہیں یکساں پاتے ہیں۔ پولوس نے مسیح کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں کہی جو خود یسوع نے نہ کہی ہو۔ یسوع نے اپنی پیش ہستی کا اور اپنے بے خطا اور قادرِ مطلق اور حاضر وناظر ہونے اور بنی آدم کی عدالت کرنے والا اور اُن کے انجام کا فیصلہ کرنے والا ہونے کا دعوے کیا۔ اور اُس نے نہ فقط اِن الٰہی صفات کا دعوے ہی کیا اور معجزات کے ذریعہ اپنے آپ کو اُن کا حق رکھنے والا ثابت کیا بلکہ اُس نے صاف صاف کہا کہ میں مسیح خرستنس خدا کا بیٹا ہوں اور اسی ہولناک دعوے کے سبب وہ قتل کیا گیا۔ پس جو پولوس کا یسوع ہے وہی اناجیل کا یسوع بھی ہے۔

۳۔ یسُوع اور پولُس کی تعلیمات

یہاں گنجائش نہیں کہ پولُس کی تعلیمات کا مفصّل بیان کیا جائے اور اُن کا مقابلہ یسُوع کی تعلیمات سے کیا جائے۔ لیکن مَیں چند خاص باتوں کا ذکر کرُونگا۔ پولُس کے خطوُط کے پڑھنے سے فوراً واضح ہوجاتا ہے کہ وہ تاریکی کی بادشاہت اور اُس کے سردار شیطان یعنی ابلیس یا آزمانے والے شریر یا اِس زمانے کے معبُود کو خُدا کی بادشاہت کا بڑا دُشمن سمجھتا تھا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ بطور مسیحی ہونے کے ہماری خاص لڑائی گوشت اور خُون اور اِس دُنیا کی دیدنی طاقتوں سے نہیں بلکہ "حکومت والوں اور اختیار والوں اور اِس دُنیا کی تاریکی کے حاکموں اور شرارت کی رُوحانی فوجوں" سے ہے۔ اناجیل کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یسُوع نے بھی عین یہی تعلیم دی۔ یسُوع کی آزمائش کے حالات میں جو خود اُس نے آپ بتائے ہونگے یسُوع بیابان میں شیطان کے ساتھ تن تنہا جنگ کرنے کے ذریعے اپنے نجات کے کام کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔ اُس نے فرمایا کہ مَیں جب زور آور آدمی کو باندھ لُونگا تو اُس کے گھر کا اسباب لُوٹ سکُونگا۔ اُس نے اپنی انجیل کی فتح کو شیطان کے آسمان سے گرنے کے مشابہ قرار دیا۔ اُس نے اپنے شاگردوں خصوصاً پطرس کو شیطان کی آزمائشوں سے یہ کہہ کر آگاہ کیا کہ اُس نے تُم کو مانگ لیا تاکہ گیہوں کی طرح پھٹکے۔ سرداروں اور قوم کے حاکموں کی طرف سے اُس کی سخت اور شرارت آمیز مخالفت کو اُس نے شیطان کی تحریک سے منسُوب کیا۔ پولُس اور یسُوع دونوں نے سکھایا۔ کہ بدرُوحیں انسان کی رُوح کے خلاف جنگ کرتی ہیں۔ اور خُدا کی بادشاہت تاریکی کی بادشاہت کے مقابلے پر ہے ✦

پولوس الٰہیات کا بڑا بھاری عالم تھا مگر وہ اخلاقی معلم بھی تھا۔ غیر مذاہب کی تہذیب نہایت ہولناک درجے تک گری ہوئی تھی جس کا خاکہ پولوس نے رومیوں کی طرف کے خط کے پہلے باب میں کھینچا ہے اور جس کی بابت سینیکا نے کہا کہ نیکی نہ فقط کمیاب بلکہ عنقا صفت ہے جس کا تعلق اتنے عرصہ کے بعد بھی تواریخ کا مطالعہ کرنے والے کے کلیجے کو ہلا دینے والا اور دماغ کو پریشان کرنے والا ہے۔ ایسی تہذیب کے درمیان پولوس نے شخصی اور معاشرتی پاکیزگی کی منادی کی۔ ایمان دار کا بدن روح القدس کا مقدس ہے اور جو کوئی اُسے ناپاک کرتا ہے خدا اُس کی عدالت کریگا اور اُسے برباد کریگا۔ بیاہ کرنا عزت کی بات ہے مگر خدا حرامکاروں اور زانیوں کی عدالت کریگا۔ اب ہم یسوع کی طرف پھر کر دیکھتے ہیں کہ اُس نے بھی بعینہٖ یہی تعلیم دی۔ بری خواہش کی نگاہ بھی بمنزلہ حرامکاری ہے۔ جب سے مرد اور عورت خلق ہوئے خدا نے بنی آدم کے لئے ایک ہی قانونِ نکاح مقرر کیا۔ اور طلاق کو سوائے ایک شرط کے زنا قرار دیا۔ اُس نے لوگوں کو استعاروں کے ذریعے سکھایا کہ بہتر ہے کہ آنکھ نکالی جائے اور ہاتھ کاٹا جائے بہ نسبت اس کے کہ گناہ کر کے سارا بدن جہنم میں ڈالا جائے۔

جس دنیا کے سامنے پولوس نے منادی کی وہ بیدرد بت پرست دنیا تھی۔ آج کے دن یہ قیاس کرنا ناممکن ہے کہ برادرانہ محبت اور ایذا کے لئے معافی کی تعلیم انطاکیہ اور افسیسی اور رومہ والوں کے کانوں میں کیسی سنائی دیتی ہوگی۔ عوام نہ فقط اپنے دشمنوں کو معاف ہی نہیں کرتے تھے بلکہ ایسا فعل کمزوری اور ذلت کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ شبہ اور انتقام اور عداوت دشمنوں کے درمیان باہمی تعلقات کے اصول تھے۔ مگر پولوس محبت اور

برداشت اور معافی کا قانون سکھاتا ہے "جو تمہیں ستاتے ہیں اُن کے واسطے برکت چاہو۔ برکت چاہو۔ لعنت نہ کرو"۔ "اپنا انتقام نہ لو بلکہ غضب کو موقع دو"۔ "بدی سے مغلوب نہ ہو بلکہ نیکی کے ذریعے سے بدی پر غالب آؤ"۔ "لوگ بُرا کہتے ہیں ہم دُعا دیتے ہیں۔ وہ ستاتے ہیں ہم سہتے ہیں"۔ "ایک دُوسرے پر مہربان اور نرم دِل ہو اور جس طرح خُدا نے مسیح میں تمہارے قصُور معاف کئے ہیں۔ تُم بھی ایک دوسرے کے قصُور معاف کرو"۔ "اگر کسی کو ایک دوسرے کی شکایت ہو تو ایک دُوسرے کی برداشت کرے اور ایک دُوسرے کے قصُور مُعاف کرے۔ جیسے خُداوند نے تمہارے قصُور معاف کئے ویسے ہی تم بھی کرو"۔ اب اناجیل میں یسُوع نے بھی بعینہٖ یہی تعلیم دی "جس طرح ہم نے اپنے قرضداروں کو معاف کیا ہے تُو بھی ہمارے قرض ہمیں معاف کر"۔ "اپنے دُشمنوں سے محبّت رکھو۔ جو تُم پر لعنت کریں اُن کے لئے برکت چاہو"۔ اپنے بھائی کو سات دفعہ کے ستر گنُے تک معاف کرنا ہے۔ جب رُومی سپاہیوں نے احکام کی تعمیل میں اُس کو صلیب پر کیلوں سے جڑ دیا تو اُس کا جواب اور اظہارِ محبّت یہ تھا کہ "اَے باپ۔ اُن کو معاف کر۔ کیونکہ یہ جانتے نہیں کہ کیا کرتے ہیں"۔ پولُوس کی اخلاقی تعلیم اُس کی مسیحی محبّت کے بڑے گیت میں اپنی دلکش معراج تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ عرُوج اور الہام کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اپنا عجیب راگ الاپتا ہے کہ "اگر مَیں آدمیوں اور فرشتوں کی زبانیں بولوں اور محبّت نہ رکھوں تو مَیں ٹھنٹھناتا ہُوا پیتل یا جھنجھناتی ہُوئی جھانجھ ہُوں۔ اور اگر مجھے نبوّت مِلی اور سارے بھیدوں اور کُل علم کی واقفیّت ہُوئی اور اگر میرا ایمان

کامل ہُوا اور محبت نہ رکھوں تو مَیں کچھ بھی نہیں۔ محبّت صابر ہے اور مہربان۔ محبّت حسد نہیں کرتی۔ محبّت شیخی نہیں مارتی اور پھُولتی نہیں۔ سب کچھ سہ لیتی ہے۔ سب کچھ یقین کرتی ہے۔ سب باتوں کی اُمید رکھتی ہے۔ سب باتوں کی برداشت کرتی ہے۔ محبّت کو زوال نہیں"۔ جب مَیں اِس گیت کو سُنتا ہوں۔ تو اُس دُوسرے مغنّی کا راگ میرے کان میں پڑتا ہے جس نے گلیلی پہاڑ کے پہلو پر سے لوگوں کو تعلیم دی اور کہا کہ "اپنے دُشمنوں سے محبت رکھو۔ اور جو تمہاری بے عزّتی کریں اور تمہیں ستائیں اُن کے لئے دُعا مانگو" یا جب وہ اُس رات کو جس میں وہ پکڑوایا گیا اپنے شاگردوں کے پاؤں دھو چُکا تو اُس نے کہا کہ "مَیں نے تم کو ایک نمُونہ دکھایا ہے جیسا مَیں نے تمہارے ساتھ کیا ہے تُم بھی کیا کرو۔ مَیں تمہیں ایک نیا حُکم دیتا ہُوں کہ ایک دُوسرے سے محبّت رکھو"۔ پولُوس کے اُس بڑے گیت کا سُر یسُوع کے گیت کے سُر کے ساتھ کامل طور سے ہم آہنگ ہے۔ کیونکہ اُس کا نغمہ یسُوع کی رُوح سے پیدا ہُوا۔ اور فرحت انگیز خوشبو کی طرح آسمان کے دروازے کی طرف اُوپر اُٹھتا ہے ۔

۴۔ طریقِ نجات

آخرکار ہم اُس مسئلے کا ذکر کرینگے جس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ پولُوس یسُوع کی تعلیم سے مُنحرف ہو کر کوئی ایسی بات ایزاد کر دیتا ہے جو سراسر بیگانہ ہے یعنی یہ کہ مسیح گنہگار کو کیونکر بچاتا ہے۔ پولُوس کے خلاف بڑی شکایت یہ نہیں کہ اُس نے خُدا کے یا مسیح کے شخصی دعوؤں کے بارے میں یا مسیحی اخلاق کی بابت جس کی وہ مُنادی کرتا تھا کیا تعلیم

دی۔ یا مسیح کے زندوں اور مُردوں کی عدالت کرنے کو پھر آنے پر زمانہ کے خاتمے کی نسبت اُس کا کیا خیال تھا۔ بلکہ اعتراض اُس تعلیم کے متعلق ہے جس میں اُس نے بیان کیا کہ مسیح گنہگار کو کس طریق سے نجات دیتا ہے۔

بے دینوں کو بھی ذرہ بھر شبہ نہیں کہ پولُس نے اس کے بارے میں کیا سکھایا۔ اُس کے خطوط کے ہر صفحے پر اُس تعلیم کا نقش پایا جاتا ہے۔ جو مٹنے والا نہیں۔ اُس کی کُل تھیالوجی کا مرکز صلیب تھی۔ اُس نے بڑے زور سے کہا کہ "خُدا نہ کرے کہ مَیں کسی چیز پر فخر کروں۔ سوا اپنے خُداوند یسُوع مسیح کی صلیب کے"۔ اُس کی ساری خدمت کا خُلاصہ اُن الفاظ میں پایا جاتا ہے۔ جو اُس نے کرنتھس کے مسیحی شاگردوں کو خط لکھتے ہُوئے استعمال کئے۔ یعنی "مَیں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ تمہارے درمیان یسُوع مسیح بلکہ مسیح مصلوب کے سوا اور کچھ نہ جانوں گا"۔ اُس کی مُنادی کی یہی بڑی حقیقت تھی۔ گناہ کے لئے مسیح کی موت کی اس صداقت کے سوا باقی سب کچھ اسفل اور دُوسرے درجے پر تھا۔ "چنانچہ مَیں نے سب سے پہلے تم کو وہی بات پہنچادی کہ مسیح کتابِ مقدس کے بموجب ہمارے گُناہوں کے لئے مؤا"۔

اگر پولُس کی تعلیم میں مسیح کی موت کی اعلےٰ منزلت صفائی سے بیان کی گئی ہے تو اُس موت کے مقصد کا بیان بھی کچھ کم صاف نہیں۔ مسیح ہمارے گُناہوں کے لئے مُؤا۔ وہ ہمارے واسطے گناہ ٹھہرایا گیا۔ وہ خُدا کی شریعت کے آگے ہمارا عوضی تھا۔ جب مُجرم سزا کے زیر اپنی راستبازی کا دعوےٰ ترک کر دیتا ہے اور اپنے تئیں خُدا کے کرم کا مستحق نہیں سمجھتا اور اپنے گُناہوں کا اقرار کر کے مان لیتا ہے کہ مسیح اُس کا شفیع ہے جس نے خُدا کی شریعت کا تقاضا اُس کے لئے پُورا کر دیا ہے تو

تب وہ مسیح کی راستبازی میں شریک ہو جاتا ہے اور ایمان کے ذریعے راست ٹھہر کر معافی پاتا ہے اور خدا اُسے قبول کر لیتا ہے۔ اِس طور سے خُدا انسان کے گناہ کا تدارک کرتا ہے یعنی مسیح کی موت کے وسیلے گناہ کی سزا دیتا ہے اور پھر اُسی موت کے ذریعہ اُسے معاف کر دیتا ہے۔ یُوں اُس کا عدل اور رحم دونوں قائم رہتے ہیں۔ خُدا راست ٹھہرتا ہے اور مسیح پر ایمان لانے والوں کو راست ٹھہراتا ہے۔ اِس طور پر مسیح کی موت اُس سزا کا اظہار ہے جو گُناہ کا حق ہے۔ ماسوا اس کے اُس سے خُدا کی عجیب محبّت اور فضل بھی مترشح ہوتا ہے۔ جس نے اپنی محبّت ہم پر یُوں ظاہر کی کہ جب ہم گنہگار ہی تھے تو مسیح ہماری خاطر مؤا۔ اسی کو ہم پولُوس کی تھیالوجی کہتے ہیں۔ یہی پولُوس کا صلیب کا مسئلہ ہے۔ اسی مضمون پر وہ اپنے اعلےٰ دماغ کی پُوری طاقت خرچ کر دیتا ہے۔ اِس مضمون سے اُس کا دِل اُس نجات بخش محبت کی دولت کی گہرائی کے لئے جو گنہگاروں کے لئے ہے حیرت اور حمد سے بھر جاتا ہے خصوصاً جب وہ پشیمانی کے قلق کے ساتھ یاد کرتا ہے۔ کہ وہ گنہگاروں میں سب سے بڑا ہے۔ اور جس مسیح کی پرستش وہ اب کرتا ہے کسی زمانے میں اُسی کو ستاتا تھا۔ جب پولُوس نے کہا کہ "زندہ رہنا میرے لئے مسیح ہے" تو اُس کا مطلب اس مسیح سے تھا جس نے صلیب پر اُس کا گُناہ اُٹھا لیا اور اپنے عوضی ہونے اور کفّارے کے وسیلے سے اُس کے لئے معافی اور میل حاصل کیا۔ وہ کہتا ہے کہ "میں جو اب زندگی گذارتا ہُوں تو خُدا کے بیٹے پر ایمان لانے سے گذارتا ہُوں"۔

اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو پولُوس کی تعلیم ہے یسُوع کی

تعلیم نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یسُوع نے اپنی صلیبی مَوت سے نہیں بلکہ توبہ کے ذریعے معافی کی تعلیم دی۔ جب مُسرف بیٹے نے کہا کہ "اے باپ مَیں نے گُناہ کیا ہے"، تو باپ نے اُسے معاف کر دیا۔ اِسی طرح لَوٹ کر آنے والے گُنہگار کو خُدا معاف کرتا ہے مگر پولُوس کا معافی کا مسئلہ قربانی کی قدیم عبرانی رسم پر مبنی ہے یعنی اِس خیال پر کہ خُدا کو راضی کرنے اور اُس سے فضل اور معافی حاصل کرنے کے لئے اُس کے آگے قربانی چڑھانی ضرُور ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ گُناہ کی معافی کے بارے میں جو مسیحیت کی بُنیادی صداقت ہے یسُوع اور پولُوس میں قطعی اختلاف ہے +

جو طریق نجات پولُوس نے بیان کیا ہے اگر وہ یسُوع کی تعلیم میں ندارد ہے اور نہ فقط ندارد بلکہ اُس کے متضاد ہے تو ثابت ہو جائیگا کہ اس طریق کے بارے میں یسُوع کا پولُوس سے اختلاف ہے اب ہم اسی امر کی طرف متوجہ ہونگے۔ ہماری تحقیق سے مندرجہ ذیل حقائق واضح ہوں گے +

(ل) یسُوع پولُوس کی طرح اپنی مَوت کو افضل درجے پر رکھتا ہے۔

چاروں اناجیل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے مصنّف مسیح کی مَوت کو اُس کی خدمت کا افضل واقعہ سمجھتے تھے۔ چاروں انجیل نویسوں میں سے فقط دو مسیح کی پیدائش کا حال بیان کرتے ہیں۔ فقط دو اُس کے آزمائے جانے کا۔ دو ہی اُس کے پہاڑی وعظ کا اور دو ہی اُس کے صعود کا بیان کرتے ہیں۔ اُس کی تبدیلِ صورت کا اور عشائے ربانی کا اور باغ میں اُس کی جانکنی کا ذکر یوحنا کی انجیل میں مندرج نہیں ہے۔ اور نہ اُس کے جی اُٹھنے کے حالات مفصّل طور پر لکھے گئے ہیں۔ مگر کُل اناجیل میں مسیح کے حوالے کئے جانے اُس کے پکڑوائے جانے اُس کا انکار کرنے اُس کے عدالت میں پیش ہونے اُس کی اذیت اور مَوت کا مفصّل حال درج کیا گیا ہے۔

اس کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ عہدِ عتیق کے مقدسوں اور انبیاء کا حال چند الفاظ میں نپٹا دیا گیا ہے۔ اناجیل میں یوحنا بپتسمہ دینے والے کی موت کے بیان کے لئے فقط چند سطور کافی سمجھی گئی ہیں حالانکہ یسوع نے اُس کو دُنیا کا سب سے بڑا آدمی قرار دیا تھا۔ لوقا جو یسوع کی موت کا طول طویل حال لکھتا ہے۔ یعقوب رسول کے ہیرودیس سے قتل کئے جانے کا بیان فقط پانچ یا سات الفاظ میں ختم کر دیتا ہے۔ اُن آدمیوں نے جو اُس کی موت کا حال ایسی تفصیل کے ساتھ دیا۔ یہ یسوع کی تعظیم یا اُس کے جی اُٹھنے کے ایمان کی وجہ سے نہ تھا۔ اس کا یہی سبب ہو سکتا ہے کہ تحریر کرتے وقت اُنہوں نے اُس کی موت کو نہایت گہرا مطلب رکھنے والا واقعہ سمجھا۔ اُن کے دِل میں یہ تصور کہاں سے پیدا ہو گیا؟ خود یسوع ہی پیدا کرنے والا ہو گا۔

مسیح کی خدمت کے شروع ہی سے اُس کی موت کا پیش آنے والا واقعہ اُس کی نظر کے سامنے رہتا تھا۔ جب یوحنا نے پکار کر کہا کہ "دیکھو یہ خدا کا برہ ہے جو دُنیا کا گناہ اُٹھائے جاتا ہے" تو یسوع اس کا مطلب سمجھتا تھا۔ پہلی عید فسح کے وقت اُس نے کہا کہ "اس مقدِس کو ڈھا دو تو میں اُسے تین دِن میں کھڑا کر دُونگا"۔ یہ اُس نے اپنے بدن کے مقدِس کی بابت کہا تھا۔ چند روز کے بعد اُس نے نیکدیمس سے کہا کہ "جس طرح موسیٰ نے سانپ کو بیابان میں اُونچے پر چڑھایا اُسی طرح ضرور ہے کہ ابنِ آدم بھی اُونچے پر چڑھایا جائے"۔ جب یہودیوں نے نشان مانگنے پر اصرار کیا تو اُس نے کہا کہ جیسے یونس مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابنِ آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا۔ اچھے چرواہے کی تمثیل میں وہ اپنی قریب آنے والی موت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور پھر باغبان کی تمثیل میں بیان کرتا ہے۔ کہ اُنہوں نے مالک کے بیٹے کو جو اُس کا وارث تھا۔ کیونکر قتل کر دیا۔ جب مریم نے خالص

جٹاماسی کا قیمتی عطر یسُوع کے سر اور پاؤں پر ڈالا تو شاگرد اُس کو ملامت کرنے لگے تب یسُوع نے نہایت نرمی سے کہا کہ اُسے چھوڑ دو۔ کیونکہ اُس نے وہ عطر اُس کے دفن کے دِن کے لئے رکھا تھا۔ جب یُونانی اُسے دیکھنے آئے تو اُس نے خُوشی اور دہشت کے متبدّل خیالات کے درمیان کہا کہ "مَیں اگر اُونچے پر چڑھایا جاؤنگا تو سب کو اپنے پاس کھینچونگا"۔ جب پہاڑ پر اُس کی صُورت بدل گئی تو وہ موسیٰ اور ایلیاہ سے اپنے انتقال کا ذکر کرتا تھا جو یروشلیم میں واقع ہونے کو تھا۔ اپنی مَوت کے بارے میں اُس کے اشارات محض اتفاقی یا بالعض خاص اوقات پر نہ تھے کیونکہ تین انجیل نویس بیان کرتے ہیں کہ اُس نے شاگردوں کو اپنی مَوت کی حقیقت اور طریق کی بابت نہایت صاف اور یقینی طور سے سکھایا کہ وہ یہودی سرداروں کے ہاتھ میں حوالے کیا جائیگا اور وہ اُسے غیر قوموں یعنی رُومیوں کے حوالے کرینگے جو اُسے صلیب پر چڑھا کر قتل کرینگے۔ اِس تعلیم کے آغاز کے لئے یسُوع نے اپنی خدمت کا ایک نہایت سنجیدہ موقعہ چُن لیا یعنی جبکہ پطرس نے علانیہ طور پر اقرار کیا کہ وہ زندہ خُدا کا بیٹا ہے۔ اُس وقت سے یسُوع اپنے شاگردوں پر ظاہر کرنے لگا کہ وہ کہاں اور کس طرح قتل کیا جائیگا۔ "ضرور ہے کہ ابن آدم بہت دُکھ اُٹھائے اور بزُرگ اور سردار کاہن اور فقیہہ اُسے رد کریں اور وہ قتل کیا جائے۔ اور تیسرے دِن جی اُٹھے۔ تمُہارے کانوں میں یہ باتیں پڑی رہیں۔ کیونکہ ابن آدم آدمیوں کے ہاتھ میں حوالے کئے جانے کو ہے"۔ (لوقا ۹: ۲۲ و ۴۴)۔ یہ باتیں اُن کے کانوں میں اور اُن کے دل میں پڑی رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسیح کی موت کو انجیلوں میں اس قدر جگہ دی گئی ہے ؛

علاوہ ان کثیر اشارات کے جو یسُوع نے اپنی مَوت کی طرف کئے خواہ وہ اتفاقی تھے یا غور و فکر کا نتیجہ تھے خواہ وہ براہِ راست تھے یا خفی۔ جو اپنا اثر

شاگردوں پر چھوڑ گئے ہونگے۔ یہ امر بھی غور طلب ہے کہ اپنی موت کے بارے میں خود مسیح کا احساس کس قسم کا تھا۔ جب یونانی اُسے دیکھنے آئے اور اُن کی آمد میں اُس نے صلیب کی آئیندہ فتوحات دیکھیں تو اُس نے خوشی کا نعرہ مارا مگر اُس کے بعد فوراً جب اُس نے نئے سرے سے سمجھا کہ وہ ظفریابی کس طرح جان پر کھیل کر حاصل ہوگی اور کہ اُسے گناہ کے لئے قربان ہونا پڑیگا۔ تو اُس نے پُکار کر کہا کہ "اب میری جان گھبراتی ہے۔ پس میں کیا کہوں؟ اَے باپ مجھے اس گھڑی سے بچا"۔ حیرت کا مقام ہے کہ فاتح اپنی فتح کی گھڑی سے بچنے کے لئے یوں دُعا مانگتا ہے۔ آخری عشاء کے وقت جب یسُوع نے یہوداہ کو کھانے پر بیٹھے دیکھا اور معلوم کیا۔ کہ چند گھنٹوں کے بعد وہ اُسے حوالے کر دیگا اور یوں گویا اُسے صلیب کی راہ پر چلانا شروع کریگا تو یوحنا کہتا ہے کہ وہ "اپنے دِل میں گھبرایا"۔ تھوڑی دیر کے لئے اپنی رُوح کی سخت کشمکش کو دبا کر اپنے دل اور دماغ کی اعلیٰ خوبیوں کے سالم ہوتے ہوئے اُس نے شاگردوں پر پھونکا اور محبت بھرے دِل سے آخری الوداع کہی۔

گتسمنی کے باغ میں وہ اضطراب اُسے پھر ستانے لگا۔ اور وہ غمگین ہونے لگا اور اپنے رسولوں پطرس یعقوب اور یوحنا سے کہا کہ میری جان نہایت غمگین ہے۔ یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے"۔ پھر وہ اُن کی رفاقت کو بھی گوارا نہ کر سکا۔ وہ کوئی پتھر کے سہارے آگے بڑھا اور بے قرار ہونے لگا۔ اور اُس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بڑی بوندیں ہو کر زمین پر ٹپکتا تھا۔ اور اُس نے دُعا مانگی کہ "اَے میرے باپ۔ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔ یسُوع پر دُکھ کی گھٹا چھا گئی۔ اور جب تک وہ صلیب پر سے آخری مرتبہ زور سے نہ چلایا چھائی رہی وہ عذاب جس کی مسیح نے پیش بینی

کی یا جو ایذا اُس نے صلیب پر سہی معمولی جسمانی تکلیف کے خوف سے بڑھ کر تھی۔ اس میں کوئی زیادہ گہری اور راز کی بات تھی۔ یہ دُکھ اُس وقت کمال تک پہنچا۔ جب وہ ہولناک الفاظ زور سے اُس کے مُنہ سے نکلے کہ "اے میرے خُدا۔ اے میرے خُدا۔ تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا"؟ مسیح نے اپنی موت کی جو کیفیت پہلے سے بیان کی اور جو کچھ اُس نے اور اُس کے شاگردوں نے بعد میں کہا۔ اُس کے لحاظ سے ہمارا یقین ہے کہ یہ عجیب جانکنی اور مصیبت ایسے شخص پر آئی جس نے اپنی جان گُناہ کے لئے قربان کر دی۔ اور اُس کی موت گنہگار کی واجبی موت تھی۔ اس قسم کی تشریح کے بغیر مسیح کا صلیب پر تصدیعہ اُٹھانا ہمیں پریشانی میں ڈال دیتا۔ کیونکہ اُس سے ثابت ہوتا کہ جیسے خُدا نے مسیح کو چھوڑ دیا اُسی طرح وہ ہمیں بھی چھوڑ دے گا۔ مگر اس بیان سے ہماری غرض یہ ظاہر کرنا ہے کہ یسُوع کے خیالات کا انداز اپنی موت کی طرف کیسا تھا۔ اُس کی طرف اُس کے متعدد اشارات اور اُس پر دھیان کر کے اور اُس کا مقابلہ آ پڑنے پر اُس کی جانکنی سے واضح ہوتا ہے کہ خواہ وہ اُس تعلق کے بارے میں کچھ بھی نہ کہتا جو اُس کی موت کا انسان کے گُناہ اور نجات سے تھا تو بھی وہ موت اُس کی خدمت کا ایک بڑا واقعہ ہونے کے لحاظ سے نمایاں ہوتی۔ اور اُس کی وجہ معلوم کرنے کی ضرورت پڑتی۔ اس لحاظ سے مسیح کے پیروؤں میں سے ایک کا اُس کے بارے میں یہ کہنا سراسر واجبی تھا کہ "میں نے سب سے پہلے تُم کو یہ بات پہنچا دی کہ مسیح ہمارے گُناہوں کے لئے مُوا"۔

(ب) یسُوع بھی اپنی موت کی وُہی غرض بیان کرتا ہے جو پولُس نے کی یعنی یہ کہ وہ موت گنہگار کے عوض میں ہے۔ ہم دیکھ چُکے ہیں کہ

چاروں انجیلوں میں مسیح کی موت کو کس قدر جگہ دی گئی ہے۔ کہ یسوع اُس کی طرف کیسے متعدد اور صاف اشارے کرتا ہے۔ اور وہ اپنی آنیوالی موت پر غور کر کے اور مرتے وقت کیسی عجیب اور پُر اسرار تکلیف سہتا ہے۔ ان سب امُور کے لحاظ سے کچھ شُبہ نہیں رہتا کہ اُس کی مُوت کوئی اعلیٰ مقصد رکھتی تھی۔ مگر سوال یہ ہے کہ مقصد کیا تھا؟ وہ کیوں مُوا؟ ہم جانتے ہیں کہ پولوس اور تواریخی مسیحیت کا کیا جواب ہے۔ اور اگر یسوع اپنی مُوت کا کوئی مدعا بیان نہ بھی کرتا تو پولوس کے خطوط میں اُس کا جو مطلب بیان کیا گیا ہے فقط وہی قرین قیاس ہوتا۔ مگر یسوع نے کیا کہا؟ کیا اُس نے کوئی مدعا بیان کیا؟ اور اگر کیا تو کیا وہ وہی ہے جو پولوس اور تواریخی مسیحیت کا جواب ہے؟ یہی امر تنقیح طلب ہے ✦

خوش قسمتی سے یسوع اس کے بارے میں ساکت نہیں ہے یہ کوئی تعجّب کی بات نہیں کہ اُس کی موت کا جو تعلّق دُنیا کے گُناہ کے ساتھ تھا اُس نے اُس کا ویسا مشرح بیان نہیں کیا جیسا کہ رومیوں کی طرف پولوس کے خط میں پایا جاتا ہے۔ اوّل تو اُس کی موت سے پیشتر اِس قسم کا تشریحی بیان اُن بیانات کے مضمون اور طرز سے لازمی طور پر مختلف ہوتا جو اُس کی مُوت کے بعد قلمبند کئے گئے ہیں۔ اور پھر نجات دہندہ کی تشریح گنہگار کی تشریح سے مختلف ہوگی۔ یسوع کا بیان بلحاظ مُنجی کے ہے اور پولوس کا بیان بلحاظ نجات یافتہ گنہگار کے ہے۔ یسوع کو توقع تھی کہ جو کچھ اُس نے سکھایا خصوصاً جو تعلیم اُس نے اپنی موت کے اسی مضمون کے متعلّق دی وہ زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کی جائیگی۔ اور اُس نے اس کی تدبیر بھی کر دی۔ چنانچہ اُس نے فرمایا کہ "مجھے تم سے اَور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں۔ مگر

اب تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے ۔ لیکن جب سچّائی کا روح آئیگا تو تم کو تمام سچّائی کی راہ دکھائیگا"۔ یقیناً مسیح نے پولوس کے ذریعہ خود اپنے کلمات سے بھی بڑھ کر باتیں کہیں ۔ یعنی زیادہ مفصّل باتیں ۔ کیونکہ تب لوگ اُن کو قبول کر سکتے تھے ۔ جیسے ڈاکٹر ڈیل صاحب کفّارے کے مضمون پر اپنی تصنیف میں فرماتے ہیں کہ "اصلی حقیقت یہ ہے کہ گو مسیح خوشخبری کی منادی کرنے آیا تھا اُس کا خاص مُدّعا یہ تھا کہ منادی کے لئے خوشخبری مہیّا کی جائے"۔

لیکن پولوس نے مسیح کی موت کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کہی جو یسُوع نے خود اُس کی ابتدائی صورت میں نہ کہی تھی ۔ اپنی اُس تقریر میں جو یُوحنّا کی انجیل میں مندرج ہے یسُوع نے اپنے آپ کو گلّے کے چوپان سے تشبیہ دی ۔ ویسا چوپان نہیں جس کا بیان داؤد تئیسویں مزمور میں کرتا ہے کہ وہ گلّے کو ہریالی چراگاہوں میں اور راحت کے چشموں کی طرف لے پہنچاتا ہے ۔ بلکہ جو گلّے کے لئے اپنی جان دیتا ہے ۔ ممکن ہے کہ چرواہا اپنے گلّے کو بچانے کے لئے ڈاکوؤں اور جنگلی درندوں کے ساتھ جنگ کرنے میں اپنی جان دیدے مگر مسیح واضح کر دیتا ہے کہ وہ اپنی جان خُوشی سے دیتا ہے "کوئی اُسے مجھ سے چھینتا نہیں"۔ اِس سے یہ تو معلوم نہیں ہوتا کہ مسیح کی موت بنی آدم کے گُناہوں کے لئے تھی مگر یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ وہ موت لاثانی تھی ۔ یعنی بنی آدم کے ساتھ جو تعلّق بہادروں اور جان نثاروں کی موت کا ہوتا ہے اس موت کا تعلّق اُس سے قطعی جُداگانہ تھا ۔ نیکدیمس کے ساتھ گفتگو کرتے ہُوئے یسُوع نے اُس کو فقط بتایا کہ انسان کو خدا میں نئی زندگی کی ضرورت ہے اور اُس کو نئے سرے سے پیدا ہونا ہے بلکہ یہ بھی کہ وہ

زندگی کیونکر اور کس قیمت پر مل سکتی ہے۔ "جس طرح موسیٰ نے سانپ کو بیابان میں اونچے پر چڑھایا۔ اسی طرح ضرور ہے کہ ابنِ آدم بھی اونچے پر چڑھایا جائے۔ تاکہ جو کوئی اُس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو۔ بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔ کیونکہ خدا نے دُنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اُس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا۔" اس مقام پر انسان کی زندگی کے لئے مسیح کی موت کی صاف تعلیم ہے ٭

پھر جب یسُوع نے شاگردوں کو اعلےٰ درجہ پانے کی جدّوجہد پر ڈانٹا اور اُنہیں فروتنی اور اَوروں کی خدمت کرنے کی تعلیم دی تو اُس نے فرمایا کہ " ابنِ آدم بھی اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے بلکہ خدمت کرے اور اور اپنی جان بہتیروں کے لئے فِدیئے میں دے" اُس زمانے میں لفظ فِدیہ عام فہم تھا۔ فِدیہ وہ روپیہ تھا جو کھوئی ہوئی ملکیّت کو پھر حاصل کرنے کی غرض سے ادا کیا جاتا تھا۔ وہ کفّارے کا روپیہ تھا جو ہر ایک یہودی قہرِ ربانی کے ٹالنے کے لئے دیتا تھا۔ وہ کسی آدمی کو قید یا غلامی سے رہا کرنے کی قیمت تھی۔ وہ دام تھا جو کسی کو موت سے بچانے کے لئے ادا کیا جاتا تھا۔ اس مضمون پر بحث کرتے وقت یاد رکھنا چاہیئے کہ یسُوع نے اپنی بہت سی ضروری تعلیم اُس چالیس دن کے عرصے میں دی جو اُسکی قیامت اور صعُود کے درمیان تھا۔ میرے خیال میں بہت سی اعلیٰ مرتب تھیالوجی جو اعمال کی کتاب کے شروع میں پائی جاتی ہے یسُوع نے رسولوں کو اسی عرصے میں سکھائی۔ اور مسیح کے آسمان پر جانے سے پیشتر چالیس دن تک ٹھہرے رہنے کا مقصد علاوہ اپنی جسمانی قیامت کو ثابت کرنے کے یہ بھی تھا کہ اِن مسائل کی تعلیم دے۔ یسُوع نے اماؤس کے راستے پر دو شخصوں

کو جو درس دیا اُس سے واضح ہوتا ہے کہ خُدا کی بادشاہت کے بارے میں اُس کی تعلیم کا مضمون کیا تھا۔ جس کی طرف لوقا اعمال کی کتاب کے پہلے باب میں اشارہ کرتا ہے۔ وہ اُس کی موت کے ذریعہ گُناہ سے نجات کا پیغام تھا۔ پطرس کرنیلیس کے آگے منادی کرتے ہوئے مسیحی تھیالوجی کا خلاصہ پیش کرتا ہے یعنی یہ کہ مسیح نبوت کا پُورا کرنے والا۔ جہان کی عدالت کرنے والا اور گُناہوں سے نجات دینے والا ہے پطرس کہتا ہے کہ یسُوع نے اپنی قیامت اور صعود کے درمیانی عرصے میں شاگردوں کو یہی پیغام دیا۔ ہم بخُوبی سمجھ سکتے ہیں کہ نجات کے بارے میں مسیح کی اُس عرصے کی اعلیٰ اور مکمل تعلیم کے دفتر میں سے یہ فقط چند اوراق ہونگے +

ہم اَور بھی بہت سے مقامات اقتباس کر سکتے ہیں۔ مگر مسیح نے جو ایک بھاری وجہ اپنی موت کی بیان کی وہ اُس رسم میں پائی جاتی ہے جو اُس نے اپنی موت کی یادگاری میں مقرر کی۔ یسُوع نے اُس رات کو جس میں وہ حوالے کر دیا گیا ایک سنجیدہ موقعہ سمجھ کر نہایت واضح اور صاف الفاظ میں بتایا کہ اُس کی موت کا جو کل واقع ہونے کو ہے کیا مقصد ہے۔ تاکہ اُس مقصد کے سمجھنے میں غلط فہمی نہ ہو یا اُس کی موت کے مدعا کا دارومدار مُبہم اشارات یا حوالجات پر نہ ہو یا گتسمنی میں اُس کی جانکنی یا صلیبی عذاب سے بطور نتیجہ ہی کے مستنبط نہ ہو۔ اُس نے نہ تو اپنے دُشمنوں کی طعنہ زنی کے سبب اور نہ اپنے دوستوں کی درخواست پر اُس اعلیٰ اور عُمدہ وجہ کا اظہار کیا۔ انسان کی بولی ہر زمانے میں بدلتی رہتی ہے اور ایک سے دوسری پُشت تک خیالات منتقل کرنے میں ہمیشہ یہ اندیشہ رہتا ہے کہ حقیقی اور اصلی خیال مفقود نہ ہو جائے۔ اِس لئے یسُوع کی یہ پیش بینی حکمت پر مبنی تھی کہ اُس نے اپنی موت کی وجہ ایک مقدس رسم کے ذریعے سے مشرح کی جس کے عناصر اور علامات کی زبان سب سمجھ سکتے تھے۔ جب وُہ فسح کھا رہے تھے تو یسُوع نے روٹی لی اور کہا کہ "لو کھاؤ۔ یہ

میرا بدن ہے جو تمہارے واسطے دیا جاتا ہے۔ میری یادگاری کے لئے یہی کیا کرو"۔ پھر پیالہ لے کر شکر کیا اور اُنہیں دے کر کہا کہ "تم سب اس میں سے پیئو۔ کیونکہ یہ عہد کا میرا وہ خون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے"۔ اس رسم یعنی عشائے ربانی کے جاری کرنے کے چار بیانات ہیں تین تو اناجیل میں اور ایک مقدس پولوس کی تصانیف میں۔ اِن میں سے کوئی دو بیانات یسوع کے الفاظ کو ٹھیک ایک ہی صورت میں ادا نہیں کرتے۔ مگر سب کی تہ میں ایک ہی خیال پایا جاتا ہے کہ اُس کی موت کسی خاص اور غیر معمولی طور سے اوروں کے لئے تھی یا جیسا متی کی انجیل میں مرقوم ہے کہ وہ گناہوں کی معافی کے واسطے تھی۔ مسیح کی موت کا بنیادی مقصد یہی تھا۔ عہدِ جدید میں سے اور سب کچھ نظر انداز کردو کہ پطرس اور یوحنا اور فیلبوس اور پولوس مسیح کی موت کے گناہوں کی معافی کے واسطے کفارہ ہونے کے بارے میں کیا کہتے ہیں اور فقط اناجیل ہی کو پکڑے رہو۔ تو بھی وہ عظیم الشان صداقت اُس میں نظر آئیگی جو گزرے زمانوں کی پناہ گاہ اور آنے والی نسلوں کی اُمید ہے جو ایماندار کا ایک ہی سہارا اور آسمان پر خریدے ہوؤں کی حمد کا مضمون ہوگا۔ یعنی یہ کہ مسیح اپنی موت کے ذریعے ہمیں ہمارے گناہوں سے بچاتا ہے۔

لیکن اگر چاروں اناجیل کو لے کر اُن تحریرات کے ساتھ مقابلہ کرو جو ایک ایسے شخص کے دل اور دماغ کے افکار کا نتیجہ تھیں جس نے اپنے آپ کو گنہگاروں میں سب سے بڑا قرار دیا اور جو جانتا تھا کہ مسیح نے اُس کو کیسی بڑی نجات بخشی ہے تو معلوم ہو جائیگا کہ جیسے مقدس پولوس کے خطوط کا بڑا ابھاری مضمون مسیح کی موت ہے جو گویا ہر صفحہ پر قرمزی حروف میں منقش ہے تو ویسے ہی انجیل کی بڑی حقیقت مسیح کی موت ہے یا سوا اسکے کہ پولوس کے خطوط میں مسیح کی موت کا جو مقصد بیان کیا گیا ہے کہ وہ ہمارے گناہوں کی معافی کے لئے تھی اور مسیح ہمارے گناہوں کی قربانی اور ہمارا عوضی ہے۔

اور اس بیان کا اُس تشریح کے ساتھ مقابلہ کرو جو خود یسُوع نے اپنی موت کے بارے میں کی تو دیکھو گے کہ ان دونوں کا مضمون واحد ہے۔

پیلاطُس نے یسُوع کے اُوپر یہ کتبہ لکھ کر صلیب پر لگا دیا۔ "یسُوع ناصری یہُودیوں کا بادشاہ"۔ مگر صلیب پر حقیقی کتبہ خود یسُوع کے اپنے الفاظ تھے کہ" یہ میرا وہ خُون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے"۔ اس کتبے کا جواب یُوحنّا کی طرف سے جو صلیب کے پاس کھڑا اُس مصلُوب کی طرف دیکھ رہا ہے اور ہر زمانے کے ایمان داروں کی طرف سے۔ اور آسمان میں خُون خریدے ہُوؤں کے دلسوز گیت کا مضمون یہ تھا۔ اور ہے اور ابد تک ہوگا کہ "خُدا کے بیٹے نے مجھ سے محبّت رکھی۔ اور اپنے آپ کو میرے لئے حوالے کر دیا"۔

گیارھواں سوال

کیا کوئی دُوسرا یسُوع ہو سکتا ہے؟

"جو آتا ہے اگر وہ کسی دُوسرے یسُوع کی منادی کرتا ہے" (۲ کرنتھیوں ۱۱:۴)
مقدس پولُس کسی شہر کے مسیحی ایمان داروں کی طرف جہاں اُس نے منادی کی تھی خط لکھتے ہُوئے فرماتا ہے کہ ممکن ہے کہ ایسے لوگ آئینگے جو "دوسرے مسیح" کی منادی کرینگے۔ بلاشُبہ وہ اسی تواریخی یسُوع کا ذکر کرینگے مگر اُن کے خیالات اُس کے بارے میں اَور قسم کے ہوں گے گویا وہ کسی بالکل مختلف یسُوع کا بیان کر رہے ہیں۔

اس دُوسرے یسُوع کے بارے میں کرنتھس اور گلتیہ کے یہودی مسیحیت کے پھیلانے والوں میں جو مسیحیت کو بجائے گُناہ سے مخلصی کے رسم پرستی اور اعمال کا مذہب بنانا چاہتے تھے اور جدید الٰہیات کے مقلدوں میں جو آج کے دن اپنی تحریر اور تقریر سے یسُوع کی بابت بہت کچھ کہا کرتے ہیں بڑا بھاری فرق ہے مگر دونوں اس بات میں متفق ہیں کہ وہ دُنیا کے آگے کسی "دُوسرے یسُوع" کو پیش کرتے ہیں کسی قوم کی مذہبی زندگی اور عادات میں بڑے تغیرات آہستہ آہستہ غیر محسوس طور سے واقع ہوتے ہیں۔ ایک سے دُوسرے اعتقاد میں تبدیلی کسی فوری جوش کے ذریعے سے نہیں ہُوا کرتی۔ اسی سبب سے جو حیرت انگیز تبدیلی مسیحیت کے بارے میں پروٹسٹنٹ کلیسیاؤں کے خیال میں واقع ہُوئی ہے اُس کو فقط جزوی طور پر محسوس کیا جاتا ہے۔ بعض جگہ تو اس کو بالکل محسوس ہی نہیں کیا جاتا۔ کلیسیائی انجمنیں اور اُن کے

کارندے اطمینان کے ساتھ اپنے اپنے کام کے متعلق تجاویز کیا کرتے ہیں۔ اور پروٹسٹنٹ عقائد کی پرانی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں گویا وہ آجکل کے اعتقاد کا اظہار ہیں۔ حالانکہ پروٹسٹنٹ کلیسیاؤں پر ایسا تبدیلی کا عالم طاری ہو گیا ہے کہ ہم بلا مبالغہ کہہ سکتے ہیں کہ بعض مقامات میں پروٹسٹنٹ عقیدہ دنیا کے آگے "ایک دوسرے یسوع" کو پیش کر رہا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بہت سے لوگ اس بیان کو سخت برا مانینگے۔ اور سب سے زیادہ وہی لوگ اس کو ناگوار سمجھینگے جو "دوسرے یسوع" کی منادی کرنے میں اوروں سے گوئے سبقت لے گئے ہیں۔

پروٹسٹنٹ کلیسیا میں جو حیرت انگیز تبدیلی واقع ہو رہی ہے اس سے اصلاح یافتہ کلیسیاؤں کے شرکا کی نسبت رومی کلیسیا بہتر طور سے آگاہ ہے۔ چنانچہ ایک رومن کیتھلک اخبار میں پروٹسٹنٹ کلیسیا کی موجودہ حالت رومی نقطۂ خیال سے یوں بیان کی گئی ہے "بائبل کے متعلق پروٹسٹنٹ کلیسیا کے عقیدے کا رخ بالکل پلٹ گیا ہے۔ اصلاح کنندوں کے ایمان کا دستور العمل سوائے بائبل کے اور کچھ نہ تھا۔ خدا کے الہامی کلام ہی میں وہ صداقت موجود تھی جو بنی آدم کو صفائی سے بتائی گئی اور بظاہر سمجھ میں آنے کے لائق اور سب پڑھنے والوں پر روشن تھی۔ اس وقت پروٹسٹنٹ کلیسیا کے دینی مدارس کے معلم بے پروائی سے مقدس نوشتوں کی ساری کی ساری کتابوں اور اناجیل کے ضروری حصوں اور کسی باب یا آیت کو جو ان کے خیال مبارک میں پسند کے قابل نہیں نکال پھینکتے ہیں۔ پروٹسٹنٹ کلیسیا اب اپنے ایمان بغیر اعمال کے ابتدائی مسئلے کی بجائے اعمال بغیر ایمان کے مسئلے کو مانتی ہے۔ یا صاف الفاظ میں یوں کہو کہ اگر تم اپنی دانست میں جو درست سمجھتے ہو وہی کرو تو کچھ مضائقہ نہیں تمہارا اعتقاد کیا ہے۔ کوئی تعجب کی بات

نہیں کہ پروٹسٹنٹ مذہب دن بدن دینداری میں گھٹتا جاتا اور زیادہ معاشرتی صورت اختیار کرتا جاتا ہے۔ وہ دن جاتے رہے جب وہ اپنے ایمان کی خاطر جنگ کرنے کو تیار تھا"۔

یہ سخت اتہام ہے۔ تو بھی پروٹسٹنٹ فرقے کے بہت سے سرگرم شرکا مانتے ہیں کہ اُن کی کلیسیا میں بہت کچھ ہے جس سے اس اتہام کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ وعظوں کی کتابیں پڑھو۔ معمولی پروٹسٹنٹ لوگوں سے گفتگو کرو۔ سبت کے دن گرجوں میں وعظ سنو۔ تو معلوم کر لو گے کہ بہت سے پروٹسٹنٹ حلقوں میں اُس بڑے سوال کا کہ "میں کیا کروں کہ نجات پاؤں؟" اور اُس بھاری جواب کا کہ "نجات ایمان سے ہے" اب کبھی ذکر تک نہیں ہوتا۔ پروٹسٹنٹ دماغ۔ اب اُس سب سے بڑی مشکل کے حل کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتا۔ اور یہ عذر پیش کرتا ہے کہ اب معاشرتی نجات کا سوال اس سے بہت بڑھ کر توجہ طلب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پروٹسٹنٹ عبادت پر سخت فالج اور نحوست اور ماندگی چھا گئی ہے۔ پروٹسٹنٹ کلیسیائیں شروع میں روح کی نجات کے سوال کو کسی طور پر اور خاص زور کے ساتھ حل کرنے کی غرض سے قائم ہوئی تھیں۔ سب عقائد نامے اور سارے گیت اور کل ساکریمنٹ گویا مان لیتے ہیں۔ کہ یہی نجات کا سوال سب سے اہم ہے مگر اب بڑی بھاری کوشش کی جا رہی ہے کہ مذہب کے عقائد ناموں، اقرارات اور شخصیات کے متعلق شاخ پر مسیحیت کے دنیاوی تصور کو پیوند کر دیا جائے۔ لیکن اُس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اس سے اصلی شاخ کو ایسی ایذا پہنچائی گئی اور ایسا زخمی کیا گیا ہے کہ انسان کی رُوح کو اُس سے نہ تو پھل اور نہ سایہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ بیشتر ہُوا کرتا تھا۔ اور نئی شاخ جو پیوند کرنے کے لئے کاٹی گئی تھی مر چکی ہے۔ گو اُس کے بے قیام ہواؤں سے ہلنے اور اُس کے خشک پتوں کی کھڑکھڑاہٹ کے شور سے کسی سرسری نظر سے دیکھنے والے راہگذر کو گمان

ہو سکتا ہے کہ اُس میں جان اور حرکت کی طاقت ہے ۔

پروٹسٹنٹ کلیسیا میں اس تبدیلی کی کیفیت اور وجہ کے متعلق دفتر لکھے جا سکتے ہیں۔ مگر پَوَلُس اِس کو دو پُر معنی لفظوں میں ادا کرتا ہے یعنی "دُوسرا یسُوع"۔ کس کو شبہ ہو سکتا ہے کہ اب اسی دُوسرے یسُوع کی منادی کی جا رہی ہے؟ دو باتوں میں جدید الٰہیات کا یسُوع جس کی اکثر گرجوں میں منادی کی جاتی اور جس کی بابت پروٹسٹنٹ مدارس اور کالجوں میں تعلیم دی جاتی ہے عہدِ جدید کا نہیں بلکہ "دُوسرا یسُوع" ہے۔ اوّل تو اُس کی زندگی کے حالات میں سے ضروری واقعات مفقود ہیں اور پھر جو واقعات رہ گئے ہیں۔ اُن کی ایسے طور پر تشریح کی جاتی ہے کہ وہ دوسری انجیل اور دوسرے مسیح کو پیش کرتے ہیں ۔

ہم اوّل اپنے خُداوند کی زندگی کے بعض واقعات کا ذکر کرینگے جو اس نئے یسُوع کی سوانح عمری میں پائے نہیں جاتے۔ ہر ایک آدمی کی شخصیت چند حالات مثلاً اُس کی ولدیت۔ اُس کی ولادت کے زمان اور مکان۔ اُس کی تعلیم اور پیشے۔ اُس کے وطن اور خاندان پر منحصر ہے۔ ہمارے خُداوند کی زمینی زندگی کے متعلق اُس کی شخصیت پر بھی یہی صادق آتا ہے۔ اُس کی پیدائش اُس زندگی کا اوّل واقعہ تھا۔ اناجیل میں نہ فقط یسُوع میں خُدا کے تجسّم کا بیان ہے بلکہ اُس میں تجسّم کے طریق کا بھی ذکر ہے یعنی خُدا کا ازلی بیٹا حقیقی جسم اور نفسِ ناطقہ اختیار کر کے انسان بن گیا۔ اور رُوح القُدس کی قدرت سے کنواری مریم کے پیٹ میں پڑا اور بغیر گناہ کے پیدا ہُوا۔ یہاں قیاسی تاویلات اور تفسیروں کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ امر واقعی ہے کہ عہدِ جدید کا یسُوع کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہُوا ۔

یسُوع کی زندگی کے اس ابتدائی اور بنیادی واقعہ کے متعلّق جدید الٰہیات کے یسُوع کا اناجیل کے یسُوع سے تفاوت پیدا ہونا شرُوع ہو جاتا ہے۔ جدید الٰہیات کا

یسوع کنواری مریم سے پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ اُس کی رُو سے عہدِ جدید کے بیانات کو سرگرم آدمیوں کی دیندارانہ کوششوں کا نتیجہ سمجھنا چاہیئے جنہوں نے یسوع کی اظہرمن الشمس اعلیٰ منزلت کا راز سمجھانے کے لئے یہ قصّے قلمبند کر دیئے۔ اور اُس کے معجزانہ پیٹ میں پڑنے کا قدیم بُت پرست خیال کو اختیار کر لیا۔ اور اُس کی پیدائش کو ایسے الفاظ میں ادا کیا جس کی بابت آجکل کے ایک مشہور واعظ نے کہا ہے کہ "علم الحیات کا ایک اچنبھا ہے جس کو اس زمانے میں کوئی نہیں مان سکتا"۔ مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ مسیحی ایمان کے اس مسئلے کا "اس زمانے" کے ساتھ کیا خاص تعلّق ہے۔ کیونکہ تواریخ شاہد ہے کہ سیرنتھس جو مقدّس یُوحنا کا ہمعصر تھا۔ کنواری سے پیدائش کو علم الحیات کا معجزہ سمجھتا تھا جسے اُس کی عقل باور نہیں کر سکتی تھی۔ الٰہیات جدید کے بعض مقلّد جو عہدِ جدید میں یسوع کی زندگی کے ابتدائی واقع کو ردّ کرتے ہیں بڑی گرمجوشی سے یسوع کے خدُا اور اُس کے مُنجّی ہونے کے اعتقاد کا اظہار کرتے ہیں بھلا اُنہوں نے اس اعتقاد کا علم حاصل کہاں سے کیا؟ اس کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ عہدِ جدید سے۔ مگر وہ نہیں سمجھتے کہ اگر کنواری سے پیدا ہونے کو تواریخی واقعہ نہ مان کر ردّ کر دیا جائے تو وہ گویا اقبال کرتے ہیں کہ انجیلی تواریخ سارے کی ساری ناقابلِ اعتبار ہے۔ کیونکہ اگر شروع کا واقعہ درست نہیں تو باقی واقعات کو سچ کیوں کر مانا جائے۔

لیکن جدید الٰہیات کا مقلّد کہتا ہے کہ "کنواری سے پیدائش کے اعتقاد پر کیوں اصرار کیا جاتا ہے؟ کیا خدُا کا بیٹا معمولی طریق سے یعنی ماں باپ کے ذریعہ یسوع میں مجسّم نہیں ہو سکتا تھا؟ یقیناً خدُا قادرِ مطلق ہے اور وہ ایسا کرنے پر قادر تھا۔ لیکن اگر تجسّم کا یہی طریق اختیار کیا جاتا تو یہ کنواری سے پیدائش کی نسبت ہزار درجے زیادہ حیرت انگیز راز ہوتا۔ یہ سچ ہے کہ خدُا قادرِ مطلق کی بابت

یہ خیال کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ وہ انسانی ماں باپ کے ذریعہ جسم اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ مگر یہ بھی راست ہے کہ اس خیال کی کوئی وجہ نہیں کہ اُس نے فی الحقیقت ایسا کیا ؛

لیکن سوال یہ نہیں کہ خُدا کے آگے کیا کچھ ممکن ہے۔ خُدا کسی اَور قسم کی نوعِ انسان خلق کر سکتا تھا۔ وہ نجات کا کوئی اَور طریق پسند کر سکتا تھا۔ سوال یہ نہیں کہ خُدا کیا کر سکتا ہے یا کیا کرتا بلکہ یہ کہ اُس نے کیا کِیا ہے۔ کنواری سے پیدائش کے بارے میں اناجیل بیان کرتی ہیں کہ کلام کیونکر مجسّم ہُوا۔ اس لئے اگر کوئی آدمی آکر کسی ایسے یسُوع کی منادی کرتا ہے جو کنواری مریمؔ سے پیدا نہیں ہُوا تو وہ کوئی دُوسرا یسُوع ہے جو عہدِ جدید کے یسُوع سے مختلف ہے ؛

اگر تجسّم کے بڑے معجزے کو اس طور پر ردّ کر دیا جاتا ہے تو اُس کا ضروری نتیجہ ہے کہ جدید الٰہیات کا یسُوع ایسا یسُوع ہے جس نے کوئی معجزے نہیں دکھائے۔ جس بنا پر معجزات کو ردّ کیا جاتا ہے وہ یہ نہیں کہ اُس کے لئے شہادت موجود نہیں۔ کیونکہ معجزات کے لئے بھی ویسی ہی شہادت ہے جیسی کہ یسُوع کی زندگی کے دیگر واقعات کے لئے ہے۔ یسُوع کے آندھی کو تھما دینے کی شہادت بھی بعینہٖ وہی ہے جو اُس کے کشتی کی پچھلی طرف گدّی پر سونے کی ہے۔ جو شہادت اُس کے پانی پر چلنے کی ہے وہی اُس کے جھیل کے کنارے چلنے اور اپنے شاگردوں کو بُلانے کی ہے۔ معجزات کو ردّ کرنے کی اصلی وجہ مسیحیت میں فوق العادت کی مَوجُودگی سے ایک قسم کا تنفّر ہے۔ فی الحقیقت جدید الٰہیات کا مقلّد مشہور دہریئے ہیوؔم کا شاگرد ہے۔ جس کا اصُول یہ تھا کہ معجزات واقع نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ وہ کبھی واقع نہیں ہُوئے۔ اس قسم کا مقلّد معجزات کو شہادت کی عدم موجودگی کے سبب سے ردّ نہیں کرتا بلکہ اس لئے کہ وہ دیدہ و دانستہ شہادت کو سراسر نظر انداز کر دیتا

ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قوانینِ فطرت کے عمل کا نیا علم حاصل کرنے سے انسانی ادراک دَورِ جدید میں معجزات کو قابلِ توجہ نہیں سمجھتا۔ اس دلیل کو سُن کر تعجّب آتا ہے کہ خاص طور پر دَورِ جدید کا ذکر کیوں کیا جاتا ہے۔ کیونکہ جب سیلسس نے دوسری مسیحی صدی میں مسیحیت پر حملہ کیا تو آریجن نے اس کی جو تردید کی اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مخالف جس نے زمانہ حال کے علمِ طبیعیات کی تعلیم نہیں پائی تھی معجزات کے قبُول کرنے کے لئے ویسا ہی نارضامند اور ناقابل تھا۔ جیسے کہ دَورِ حاضرہ کا بڑے سے بڑا الٰہیات جدید کا سرکردہ مقلّد ہے۔ اگر یہ سچ ہو کہ مذہب کی آڑ میں بہت سے جُرم کئے گئے ہیں تو یہ بھی راست ہے کہ مسیحی مکاشفہ کے اکثر ارتداد گرے ہُوئے انسان کی خُدا سے طبعی دُشمنی کا نتیجہ ہیں۔ جن کا علمِ طبیعیات کے ساتھ کچھ بھی تعلّق نہیں۔ بلکہ فقط کسی علمی دریافت یا سائنس کے کسی فرضی قیاس کی آڑ میں پیش کئے جاتے ہیں۔

لیکن امرِ متنازعہ فیہ یہ نہیں کہ زمانہ موجودہ میں کیا مانا جا سکتا ہے۔ یا نہیں مانا جا سکتا بلکہ یہ کہ کیا یسُوع نے معجزے دکھائے؟ اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے تینتیس معجزے دکھائے۔ برعکس اس کے جدید الٰہیات کا ماننے والا ایسے یسُوع کو پیش کرتا ہے جس نے یُوحنّا بپتسمہ دینے والے کی طرح "کوئی معجزہ نہیں دکھایا"۔ مگر جس یسُوع کی سوانح عمری میں سے معجزات خارج کئے گئے ہیں وہ ہرگز یسُوع نہیں ہو سکتا۔ ہمارے خُداوند کی زندگی کے لباس کی ساخت میں معجزات ایسے طور سے بنے ہُوئے ہیں کہ اُن کو پھاڑ کر نکالنا کپڑے کو برباد کر دینا ہے۔ کیونکہ خواہ ہم اناجیل میں سے مسیح کے کاموں کا بیان قلمزن بھی کر دیں تو بھی ہمارے سامنے وہ یسُوع کھڑا رہ جائیگا جس نے اپنی تعلیم میں اپنے معجزے دکھانے کی طاقت کی طرف اشارہ کیا اور نہایت زور سے دعویٰ کیا کہ مَیں نے معجزے دکھائے ہیں۔ جدید خیالات کا ایک واعظ مجھ سے کہتا ہے کہ یسُوع کے پانی پر چلنے کا قصّہ تو میرے حلق سے نہیں اُتر سکتا۔ کیا خُوب۔

مگر وہ اُس یسُوع کا کیا بنائیگا جس نے اُن قاصدوں کے استفسار پر جنہیں یوحنا نے قید خانہ سے بھیجا تھا کہ "آنے والا تو ہی ہے یا ہم دُوسرے کی راہ دیکھیں؟" یہ جواب دیا کہ "جا کر یوحنا سے بیان کر دو کہ اندھے دیکھتے ہیں۔ لنگڑے چلتے پھرتے ہیں۔ کوڑھی پاک صاف کئے جاتے ہیں۔ بہرے سُنتے ہیں۔ مُردے زندہ کئے جاتے ہیں۔ اور غریبوں کو خوشخبری سُنائی جاتی ہے"۔ خواہ اناجیل کے مندرجہ معجزات کو نکال بھی دو تو بھی وہ ایسے یسُوع کو ہمارے سامنے پیش کر دیتی ہیں جس کا دعویٰ تھا کہ مَیں نے معجزے دکھلائے ہیں +

ہم کسی اچنبھے کے لئے بیقرار نہیں ہیں بلکہ ہمارا اشتیاق یسُوع کے لئے ہے۔ ہمیں معجزہ درکار نہیں بلکہ خود یسُوع اور ہم اُسی یسُوع کو قبول کر سکتے ہیں جس نے معجزے دکھائے۔ ممکن ہے جدید الٰہیات کے مقلّدوں کا یسُوع جس نے معجزات نہیں دکھائے نہایت عجیب شخص اور بڑا بھاری معلّم یا نمونہ یا عارف یا مُصلح وغیرہم ہو۔ مگر ایک دِقّت پیش آئیگی کہ اس قسم کا یسُوع کبھی ہُوا ہی نہیں۔ جس یسُوع نے معجزے دکھائے وہی یسُوع دُنیا میں رہا ہے۔ مَیں اُس یسُوع کو جس نے معجزے دکھلائے اور جو دُنیا میں موجود تھا اُس یسُوع پر جس نے معجزے نہیں دکھائے اور کبھی دُنیا میں تھا ہی نہیں ترجیح دیتا ہُوں +

اب ہم ذرا یسُوع کی زندگی کے اُس بڑے واقعہ یعنی اُس کی صلیبی موت پر غور کرینگے جس کے بارے میں جدید الٰہیات کا مقلّد کہتا ہے کہ مَیں اُس کو اناجیل سے خارج کرنا نہیں چاہتا۔ عہدِ جدید میں اور خود یسُوع کے پیش از واقعہ بیانات مثلاً ان الفاظ میں کہ "یہ پیالہ میرے خُون میں نیا عہد ہے جو بہتیروں کے لئے گُناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے"۔ مسیح کی موت کا درجہ اور مُدعا ایسا صاف ہے کہ مسافر اگرچہ ناواقف ہوں اُس میں گمراہ نہ ہونگے۔ پولُس کہتا ہے کہ مَیں نے اپنے نومریدوں کو سب سے پہلے وہی بات پہنچا دی جو سب سے اوّل راستی ہے جس سے اور سب کچھ دُوسرے درجے پر اور تابع ہے۔ یعنی کہ مسیح کتابِ مقدّس کے بموجب نبوّت کے پورا

کرنے کو ہمارے گناہوں کے لئے مُوا۔ یوحنا اور پولس دونوں صفائی سے خُدا کی تعریف میں کہتے ہیں کہ وہ محبت ہے۔ اور وہ دونوں بالاتفاق بیان کرتے ہیں کہ مسیح کی موت بنی آدم کے لئے خُدا کی محبت کا عجیب اظہار تھا۔ یہ موت بطور عوضی اور قربانی کے تھی یعنی یسُوع نے گنہگار کے گناہوں کو اور اُس کی لعنت کو لے لیا۔ اور اُس کے دُکھ اُٹھانے اور کامل فرمانبرداری کے سبب سے گنہگار کو معافی حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر جدید الہیات کا پیرو مسیح کی موت کا کچھ اور مطلب سمجھتا ہے۔ وہ مانتا ہے کہ کسی کے عوض تکالیف اُٹھائی جا سکتی ہے۔ اور کہ صلیب پر مسیح نے اوروں کے لئے دُکھ سہا۔ یہ قانون قدرت کے عین مطابق ہے۔ یعنی طاقتور کمزور کے لئے تکلیف اُٹھاتا ہے اور کمزور طاقتور کے لئے اور نیک بد کے لئے اور ماں بچے کے لئے اور گزرا ہوا زمانہ موجودہ زمانے کے لئے۔ مگر وہ مقلد یہ نہیں مان سکتا کہ مسیح نے دُکھ سہہ کر گنہگار کی سزا اُٹھالی۔ اور ٹوٹی ہوئی شریعت کا تقاضا پُورا کر دیا۔ یا مسیح کی موت کا کچھ اثر خُدا پر ہُوا۔ وہ اس کو سُن کر طیش میں آجاتا ہے۔ اور تواریخی مسیحیت کے تمام خیالات میں سے کفّارے کا بنیادی تصور کہ مسیح گناہ اور گنہگار کے لئے مُوا۔ اُس کے دورِ جدید کے خیالات میں پاک غصے کی آگ بھڑکا دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ بات ناممکن اور اصُولِ اخلاق کے خلاف ہے۔ ناممکن اور ناقص اِس لئے کہ ہر ایک شخص کو اپنا گناہ خود اُٹھانا چاہئے اور کوئی دُوسرا شخص اس میں امداد نہیں دے سکتا۔ قانونِ اخلاق کے خلاف اس لئے کہ مُجرم کے عوض ایک بے گناہ دُکھ اُٹھاتا اور سزا پاتا ہے۔ چنانچہ پریسبٹرین کلیسیا کے ایک نامی گرامی خادم الدین نے اپنی جماعت کے ایک متشوش شخص سے جس نے اُس سے دریافت کیا کہ آپ کفّارے کے مضمون پر کبھی وعظ نہیں کرتے۔ جواب دیا کہ "یقیناً مَیں کبھی اپنے بیٹے سے درخواست نہیں کرُونگا کہ کسی اور کے لئے جان دے۔ اور مَیں نہیں مانتا کہ خُدا نے ایسا کیا ہوگا"۔

اگر تعلیمِ جدید کے اُس مقلّد سے پُوچھو کہ وہ مسیح کی صلیبی موت کا کیا مطلب سمجھتا ہے تو وہ اپنی فصیح کلامی کے پردے میں سے سر نکال کر اقرار کریگا کہ مسیح کی موت کامل فرمانبرداری اور اوروں سے کامل محبّت کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ جس پر دھیان کرنے سے انسان کی اخلاقی سیرت پر ضرور گہرا اثر پڑیگا۔ اس طور سے جسے پولوس "صلیب کی ٹھوکر" کہتا ہے۔ جاتی رہی۔ صلیب کے جس خیال سے انسان کا دل ٹھوکر کھاتا ہے خواہ وہ کسی زمانے میں ہو وہ سزا کے حُکم اور گُناہ اور گُناہ کے جُرم اور کسی کے عوضی یا درمیانی ہونے کا خیال ہے۔ عہدِ جدید کی صلیب پر یا تو انسان پولوس کی طرح فخر کرتا ہے اور یا اُس سے عداوت رکھتا اور اُسے حقیر جانتا ہے اور اُس کی بگڑی ہوئی فطرت اُس پر لٹکنے والے کو مسیح مصلوب پر طعنہ مارنے والوں کی طرح پکار کر کہتی ہے کہ "صلیب پر سے اُتر آ"۔ اس جدید خیالات کے مسیحی کی صلیب کا جو دلکش اور پُر ایثار اور دُوسروں کی جگہ ہے اُس کلوری کی صلیب کے ساتھ جو گُناہ مٹانے والی اور کفّارے کی صلیب ہے کیا تعلق ہے؟ اور یہ نیا یسُوع جس کی موت کامل نمونہ اور انسان کی اخلاقی سیرت پر اس قدر گہرا اثر پیدا کرنے والی ہے کون ہے؟ خواہ وہ کوئی ہو مگر یقیناً وہ عہدِ جدید کا یسُوع نہیں ہے۔ جو ہمارے گُناہوں کے واسطے حوالے کر دیا گیا۔ ہمارے راست ٹھہرائے جانے کے لئے جی اُٹھا اور جس کے خُون کے وسیلے پاک اور راست قرار دیئے جا کر ہمارا خُدا، باپ کے ساتھ میل ہو گیا ہے۔

آج کی مسیحی جماعتوں میں "دُوسرے یسُوع" کی منادی پر غور کرنا ہمارے لئے رنج دِہ ہے۔ مگر یہ حوصلہ افزا اور ہمّت بڑھانے والی بات ہے کہ ہر ایک پروٹسٹنٹ کلیسیا میں ہل چل مچ رہی ہے۔ کیونکہ ایماندار سمجھنے لگ گئے ہیں کہ جس نئے یسُوع کی مُنادی کی جا رہی ہے وہ عہدِ جدید کا یسُوع نہیں ہے۔ وہ معلوم کر رہے ہیں کہ

اس "دوسرے یسُوع" کا اُس یسُوع ناصری سے کچھ تعلق نہیں جو مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے سبب قُدرت کے ساتھ خُدا کا بیٹا ٹھہرا۔ اور جو بات ہمارے نفسِ مضمون سے زیادہ متعلّق ہے وہ یہ ہے کہ وہ محسُوس کر رہے ہیں کہ الٰہیات جدید کا یہ دوسرا یسُوع وہ یسُوع نہیں ہے جو نجات دینے اور بچانے پر قادر ہے۔ اِس قسم کا شکستہ مسیح شکستہ رُوح اور شکستہ دُنیا کو ہرگز فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ سب پراٹسٹنٹ کلیسیاؤں میں ایسے لوگوں کی ایک جماعت ہے جو اپنی کلیسیا کے در و دیوار سے اُنس رکھتی ہے اور دلی قلق کے ساتھ اُس سے کنارہ کش ہوگی۔ وہ جدید الٰہیات کی تعلیم کے اُن حملوں کے خلاف جان توڑ کر لڑتی ہے جو بناوٹی یسُوع کو پیش کرتی ہے جس میں نہ نجات دینے اور نہ ملزم ٹھہرانے کی طاقت ہے۔ لیکن اگر یہ واضح ہو جائے کہ موجودہ کلیسیائیں عہدِ جدید کے ایمان سے منحرف ہو کر "دوسرے یسُوع" کی اور دوسری انجیل کی جو "دوسری نہیں" منادی کرتی ہیں تو وہ عہدِ جدید کے یسُوع کے ماننے والے فوراً علیحدہ ہو جائینگے وہ اپنی اپنی کلیسیا کے جامۂ اتحاد کو چاک کر کے نکل جائینگے اور ایسی مسیحی شراکت میں شامل ہو جائینگے جہاں یسُوع بادشاہوں کا بادشاہ اور خُداوندوں کا خُداوند ہے۔ ایمانداروں کی یہ فوج صف بستہ ہو کر زمین کے ہر کونے سے کُوچ کر رہی ہے اور بڑی آرزو سے ایمان اور رفاقت کے ہاتھ اپنے دُوسری کلیسیاؤں کے بھائیوں کی طرف بڑھا رہی ہے۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ وہ کس پر ایمان لائے ہیں۔ اُنہیں معلوم ہے کہ اُن کا ایمان کیا ہے۔ اور اُس کا اظہار کرنے اور اُس کی حمایت کرنے اور اگر ضرورت ہو تو اُس کے لئے دُکھ سہنے اور مرنے کو تیار ہیں ۔

بارھواں سوال

کیا مسیح کے نئے مخالف پیدا ہو گئے ہیں؟

"کیا کوئی چیز ایسی ہے جس کی بابت کہہ سکیں کہ دیکھو یہ تو نئی ہے؟ وہ تو سابق میں اُن زمانوں کے درمیان جو ہم سے آگے تھے موجود تھی"۔ (واعظ ۱: ۱۰)

رُوئے زمین پر خصوصاً بے ایمانی کے متعلق کوئی بات نئی نہیں ہے۔ کچھ عرصہ سے ہماری کلیسیاؤں میں بائبل اور مسیحی ایمان کے بارے میں بعض خیالات کے اظہار پر کسی قدر بے چینی پھیل رہی ہے۔ اخبارات اپنے ناظرین کو نئی نئی باتیں بتایا کرتے ہیں۔ اب اُن میں مسیح اور بائبل کے متعلق جو خیالات درج ہوتے ہیں اُن سے عوام کے دِل میں یہ گمان پیدا ہو سکتا ہے کہ اُن میں سچ مچ کوئی نئی بات ہے اور مسیحی کلیسیا کے مقابلے میں کوئی نیا دُشمن پیدا ہو گیا ہے۔ جس کے ہاتھ میں کوئی نیا اور نہایت خطرناک ہتھیار ہے لیکن اگر ہماری کلیسیاؤں کے سرگرم مسیحیوں کے متردّد ہونے کی یہ وجہ ہے کہ نئے واقعات یا نئی رائیں ایمان کو مغلوب کرنے کے کام میں لائی جا رہی ہیں تو وہ خاطر جمع رکھیں۔ دانشمند آدمی کا مندرجہ بالا قول نئی تھیالوجی اور اُس کی جدید تعلیم پر خاص طور سے صادق آتا ہے "کیا کوئی چیز ایسی ہے جس کی بابت کہہ سکیں کہ دیکھو یہ تو نئی ہے؟ وہ تو سابق میں اُن زمانوں کے درمیان جو ہم سے آگے تھے۔ موجود تھی"۔

غلطی اور بدعت کا آواگون ایک عجیب چیز ہے۔ جب کوئی غلطی یا جھوٹی تعلیم مدّت سے مر چکی ہے۔ اور جن ہماری کتابوں میں وہ مندرج تھی کِرم خوردہ ہو گئی ہیں

اور اُس کے متعلق خونخوار جنگ و جدل فراموش ہو چکے ہیں تو وہ پھر زندہ ہو جاتی ہے۔ بے دینی کا بدصورت بادامہ بدل کر آبدار تتلی کی صُورت اختیار کر لیتا ہے اور وسواسی لوگ تیزی اور سرگرمی سے اس کا پیچھا کرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ ہمّت ہار جاتے ہیں۔ اُدھر تتلی کے پروں کی بھڑک جاتی رہتی ہے۔ اُس کی زندگی کے قواء ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور آخر وہ خاک ہو کر تودۂ خاک میں مِل جاتی ہے۔ نئی تھیالوجی اور مسیحیّت کے بارے میں نئے خیالات فقط اُسی زمانہ کے لوگوں کے لئے نئے ہیں۔ جو اُن کے دام میں آکر اُن کی طرف متوجّہ ہو جاتے اور اُن کی پیروی کرنے لگتے ہیں مسیحیّت کی تواریخ کے پڑھنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ متواتر نسلیں اُن کو نئی باتیں سمجھتی رہی ہیں۔ حالانکہ اُن کی قدامت انسانی بیدینی کی قدامت کے برابر ہے اور یہ بے دینی اُس وقت سے ہے جب سے انسان وجود میں آیا۔

بائبل کا قریب اسب سے پہلا فقرہ یہ ہے کہ "خدا نے کہا" اور آزمانے والے کا پہلا فقرہ یہ ہے کہ "کیا یہ سچ ہے کہ خُدا نے کہا"؟ مذہب کا بڑا بھاری سوال یہ ہے کہ کیا خُدا انسان سے ہمکلام ہُوا ہے اور کیا اُس مکاشفے کی صحیح تحریر ہمارے پاس ہے۔ کیا اُس نے جسے ہم دُھندلے طور پر اپنا خالق اور خُدا مانتے ہیں ظلمت اور پردۂ خفا میں سے نِکل کر انسان سے کلام کیا ہے؟ بنی آدم کی قسمت کا فیصلہ اس کے جواب پر منحصر ہے مسیحیّت اپنے آپ کو انسان کی بھلائی کے لئے بطور خُدا کے کلام اور اُس کے مُنہ کی باتوں اور اُس کے مکاشفے کے پیش کرتی ہے۔ کتاب کے شروع ہی میں الفاظ "اور خُدا نے کہا" کی نہایت شاندار سُر سُنائی دیتی ہے بائبل اور مسیحی ایمان کے عالی شان محل کے ہر کونے سے اُس کی صدا آتی ہے یعنی "اور خُدا نے کہا" "تم خُداوند کا کلام سُنو" "خُداوند یُوں فرماتا ہے"۔

ابتدا ہی میں آزمائش کرنے والے نے چالاکی سے سوال کیا کہ "کیا یہ سچ

ہے کہ خدا نے کہا ؟" بے دینی کا یہی پہلا فقرہ آخری بھی ہے۔ کیونکہ خدا کے کلام کی نسبت شبہ ڈال دینا ہی وہ طریق ہے جس سے تاریکی کے اختیار والے انسانی روح کو خدا کے خلاف بغاوت کرنے اور اس کی بڑی نجات کو رد کرنے پر آمادہ کر سکتے ہیں۔ ہر قسم کی بے دینی خواہ وہ قدیم ہو یا وسطی زمانہ میں یا دورِ حاضرہ میں ہو اُسی پہلے سوال کا اعادہ ہے جو آزمانے والے نے عورت سے کیا۔ جب کبھی خدا نے گرے ہوئے انسان سے کچھ کہا تو اُس پر فوراً شک کیا گیا۔ اُس سے انکار کیا گیا۔ اُس پر تمسخر کیا گیا جب کبھی "خداوند یوں فرماتا ہے" کہا گیا ہے تو اس کے جواب میں "کیا خدا نے کہا"؟ پیش کیا گیا ہے۔ بائبل اور خدا کے کلام پر اور منکشف مذہب پر حملے کی قدامت وہی ہے۔ جو انسان کی قوت تخیلہ کی ہے۔ اس لئے اگر مسیحیت پر کسی حملے کے بارے یہ کہا جائے کہ "دیکھو یہ تو نیا ہے"۔ تو یاد رکھو کہ وہ ہم سے پیشتر قدیم زمانے میں موجود تھا۔ انہی قدیم دشمنوں نے کلیسیا اور بائبل پر اپنے چلتے ہوئے تیروں سے حملہ کیا ہے۔ جس دماغ نے اُن تیروں کو ایجاد کیا تھا وہ ویسا ہی تیز تھا اور جس ہاتھ نے اُنہیں چلایا وہ اُسی طرح طاقتور تھا جیسے آجکل کے مخالفوں کا ہے۔ باوجود اس کے کلیسیا اور بائبل مستحکم کھڑی ہے ٭

کنواری سے پیدائش کا مسئلہ

میں مندرجہ بالا عام سوال کو مشرح کرنا اور مسیح اور اُس کی کلیسیا کے خلاف مختلف زمانوں کے لوگوں نے جو کچھ کہا اُس کا باہمی مقابلہ کر کے بطور مثال کے واضح کرنا چاہتا ہوں۔ بہتر ہوگا کہ ہم مسیحیت کے اُس مسئلے سے شروع کریں جس پر ان دنوں بہت بحث ہو رہی ہے یعنی ہمارے خداوند کے کنواری سے پیدا ہونے کا مسئلہ۔ انگلستان کا ایک نہایت مشہور واعظ رسولوں کے عقیدے

پر وعظوں کے ایک سلسلے میں کنواری سے پیدائش کے بارے میں کہتا ہے کہ "تواریخی شہادت اس مسئلے کی تائید یا تردید کے لئے قطعی نہیں ہے۔ اس کے فیصلے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ مسئلہ ثابت نہیں ہوا۔ میری رائے میں وہ عقائد نامے میں اس لئے شامل کیا گیا اور اب تک اُس کا جزو ہے کہ یسوع کے پیروؤں نے اُس کی پاکیزگی کے لحاظ سے اس مسئلے کو ماننا لازمی سمجھا یعنی اُس کی لاثانی شخصیت لاثانی پیدائش کی مقتضی تھی"۔ اس بیان کے مطابق "یسوع کی لاثانی شخصیت" کا سبب دریافت کرنے کی کوشش نے کنواری سے پیدائش کا قصہ ایجاد کر کے اُس کو عقیدے میں داخل کر دیا۔

اُس مسیحی واعظ کے کلمات کے ساتھ مشہور دہریئے ٹامس پین کی تصنیف میں سے ایک جملہ ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتا ہے کہ "یسوع مسیح کے خدا کا بیٹا ہونے کا قصہ مان لئے جانے کا سبب دریافت کرنا مشکل نہیں ہے۔ وہ ایسے زمانے میں پیدا ہوا تھا۔ جب دُنیا میں دیوتاؤں کے متعلق بُت پرستوں کے بناوٹی فسانوں کا رواج ابھی کچھ باقی تھا۔ اور ان دیوتاؤں کی کہانیوں نے اس قسم کے قصّے کو ماننے کے لئے لوگوں کو تیار کر دیا تھا۔ سب غیر معمولی اشخاص جن کا بیان اُن بُت پرستوں کی کہانیوں میں موجود تھا کسی نہ کسی دیوتا کے بیٹے سمجھے جاتے تھے۔ اُس زمانے میں کسی آدمی کو آسمانی طریق پر پیدا ہوا مان لینا کوئی نئی بات نہ تھی"۔

اِس سے پہلے دوسری صدی میں سیلسس نے جو اُن ایام میں مسیحیت کا سخت مخالف تھا کنواری سے پیدا ہونے کے مسئلے کو اسی طور پر رد کیا۔ جو کچھ سیلسس نے کہا وہ آریجن کی تصانیف میں پایا جاتا ہے۔ جن میں سیلسس کے اعتراضات کا جواب مسطور ہے سیلسس نے ایک یہودی کو یسوع

کی تردید کے لئے کھڑا کر دیا۔ جو اُس پر یہ الزام لگاتا ہے کہ اُس نے کنواری سے اپنی پیدائش کا قصّہ ایجاد کر لیا ہے۔ اور اُسے ملامت کر کے کہتا ہے کہ تُو ایک غریب چرخہ کاتنے والی عورت سے پیدا ہُوا جسے اُس کے خاوند نے جو بڑھئی تھا گھر سے نکال دیا تھا۔ کیونکہ اُس نے پینتھیرا نامی ایک سپاہی سے ناجائز تعلق پیدا کر لیا تھا۔ پھر سیلسس کنواری سے پیدائش کے قصّے کو یونانی بہادروں کی کہانیوں سے مشابہ کرتا ہے۔ کنواری سے پیدائش کے خلاف اُس کا خاص اعتراض وہی قِصّہ ہے۔ جو یہُودیوں نے رُومی سپاہی پینتھیرا کے متعلق گھڑ لیا تھا۔ اُس نے کنواری سے پیدائش کا انکار کرنے کے لئے دریدہ دہنی اور بیحیائی سے یسوع کا ایک فرضی باپ داخل کر دیا۔ یہ اُس کے خیالات کا قدرتی نتیجہ تھا جس کو آجکل کے جدید الٰہیات کے مقلّد ماننے کو تیار نہیں ہونگے ۔

اس سے اور آگے اوّل صدی میں سیرنتھس نے جو یوحنّا کا ہمعصر تھا کنواری سے پیدا ہونے کو ناممکن قرار دیا۔ اور یسُوع کو یوسف اور مریم کا بیٹا کہا جن کو بپتسمے کے وقت الٰہی اختیارات حاصل ہُوئے۔ اس لئے جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ کنواری سے پیدا ہونا علم الحیات کا ایک ایسا معجزہ ہے جسے زمانہ حال کا کوئی صاحبِ عقل مان نہیں سکتا۔ تو وہ انجیلی بیان کو رد کرنے اور انسان کی عقل کے متعلّق کوئی نئی بات نہیں کہتا۔ کیونکہ اٹھارھویں مسیحی صدی میں ٹامس پین اور دوسری میں سیلسس اور پہلی میں سیرنتھس اس مسئلے کا ویسا ہی مخالف تھا جیسے موجودہ زمانے کے جدید خیالات رکھنے والے ہیں۔ یہ بھی وہی بات کہتے ہیں جو ہر زمانے کے مُنکر کہتے آئے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جو کچھ مُنکروں نے کلیسیا سے باہر ہو کر کہا وہی بات جدید الٰہیات کے مقلّد کلیسیا کے اندر سے کہہ رہے ہیں ۔

کفّارہ

مسیحی کلیسیا نے کبھی مسیح کی صلیب کو ترک نہیں کیا۔ پولُوس اور باقی رسولوں نے اپنی منادی میں سامعین کو سب سے پہلے یہی بات پہنچادی کہ مسیح کتابِ مقدّس کے بموجب ہمارے گناہوں کے لئے مُوا۔ مسیحیّت کا مانا ہُوا ابتدائی اصُول یہ ہے کہ انسان گنہگار ہے اور کہ مسیحیّت گناہ کے لئے خُدا کا بڑا علاج ہے کیونکہ خُدا نے مسیح میں ہو کر اپنے ساتھ دُنیا کا میل ملاپ کر لیا۔ یہ میل ملاپ انسان نے نہیں کیا بلکہ خُدا نے۔ اور اُس نے یہ عمل مسیح کے صلیب پر ابدی کفّارہ ہونے کے ذریعے سے کیا۔ "کیونکہ باپ کو یہ پسند آیا کہ اُس کے خُون کے سبب جو صلیب پر بہا سب چیزوں کا اُسی کے وسیلے سے اپنے ساتھ میل کرے خواہ وہ زمین کی ہوں خواہ آسمان کی"۔ مسیحی زندگی اور تواریخ کا عظیم الشان دریا کبھی اپنے حقیقی راستے سے جو صلیب کی بلند چٹان کے پاس سے گزرتا ہے منحرف نہیں ہُوا۔ مسیحی کلیسیا نے بحیثیّت کلیسیا کے مسیح بلکہ مسیح مصلُوب کی منادی کی ہے۔ اسی پر اُس کی ساری سچّائی کی بُنیاد ہے اور اسی پر اُس کی نُورانی اُمیدیں قائم ہیں۔

باوجود اس کے ہر زمانے میں کلیسیا کے اندر اور باہر اس قسم کی تعلیم دی جاتی رہی ہے اور ایسی باتیں کہی گئی ہیں جن سے صلیب کا مّدعا اور طاقت ملیا میٹ ہو جاتی ہے اور "صلیب کی ٹھوکر" یعنی مسیح کے گنہگار کے بدلے صلیب پر چڑھنے کا تصوّر جاتا رہتا ہے۔ کچھ عرصے سے اُس صلیب کے خلاف جس کی پولُس منادی کرتا تھا اور جس پر اُسے فخر تھا اکثر اوقات سخت مخالفت کی آگ بھڑک اُٹھتی رہی ہے۔ مَیں اس کے چند نظائر بطور مثال اقتباس کرُونگا۔

بعض اوقات ہجویہ تصویر بھی معمولی تصویر کے برابر حقیقی خدوخال

عیاں کر دیتی ہے۔ ایک نامی واعظ اپنے وعظ میں اُس مسئلے کا یُوں بیان کرتا ہے
جیسے وہ کفّارے کے بارے میں قدامت پسندوں کا خاص نظریہ قرار دیتا ہے
کہ ہمارے خُداوند کا خُون جو عوضی موت کے لئے بہایا گیا تھا درگزر اس خُدا کو
منا لیتا اور گنہگار کے واپس لوٹ آنے پر اُسے قبُولیّت کے لائق بنا دیتا ہے"۔ یُہی
واعظ اپنے ایک مطبوعہ خط میں کفّارے کے مضمون پر رقمطراز ہے کہ "گناہ اور ذلّت سے
سوائے قائم مقام قربانی کے کبھی چھٹکارا حاصل نہیں ہوُا۔ میرا اعتقاد ہے کہ
یسُوع مسیح الٰہی محبّت ہے جس نے جہان کے گناہ اپنے اُوپر اُٹھا لیے تاکہ وہ ہمیں
بچائے۔ مَیں نہ فقط اس کو مانتا ہُوں بلکہ اس کے ماننے میں کوئی مشکل بھی نہیں
دیکھتا۔ مَیں کفّارے کے متعلّق اس قیاس کو نہیں مانتا جو قائمقام کفّارے کے
عالمگیر اُصُول پر مبنی نہیں بلکہ جو نظامِ حکُومت کے مطابق عوضی سزا کا خیال ہے۔
مدّت سے دُنیا کے ہر ایک معقول تعزیری انتظام نے ایسی موت کو قانون سے خارج کر دیا ہے۔

کسی بپٹسٹ تھیالوجیکل سیمینری کے پروفیسر نے اپنی نو تصنیف میں اس
سے بھی بڑھ کر سنجیدہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ "شریعت اور سزا
اور کفّارے کے بارے میں پولُوسؔ کا خیال دَورِ جدید کے انصاف کے احساس کو
ناگوار گزرتا ہے اور ہر پہلو سے ہمارے اخلاقی تصوّرات کے متناقض ہے۔ اگر یہ
بیان ہجو یہ نہ سمجھا جائے تو اس کا مُقابلہ بعض جگہ کی پولیس کے تصوّرات کے
ساتھ کر سکتے ہیں کسی جوش انگیز جرُم کا ارتکاب ہوتا ہے۔ خلقت برانگیختہ ہو کر
مجرُم کو گرفتار کرنے اور سزا دینے کا مطالبہ کرتی ہے۔ پولیس اس مطالبہ کو پُورا
کرنے سے عاجز آتی ہے مگر آخر عوام کا مُنہ بند کرنے کے لئے کچُھ نہ کچُھ کرنا پڑتا ہے۔
سو وہ کسی ایسے شخص کو ملزم بنا لیتی ہے جس پر مُقدمہ چلانا بظاہر معقول معلُوم
ہوتا ہے۔ اُسے جعلسازی سے مجرُم ثابت کیا جاتا ہے اِس سے عوام النّاس کا

غو نا فر ہ کیا جاتا ہے۔ قانون کا وقار قائم رکھا جاتا ہے اور عدل کا تقاضا پُورا ہو جاتا ہے۔ مگر اب ہم اِس قسم کے انصاف سے مطمئن نہیں ہوتے۔ ہم اصرار سے کہتے ہیں کہ بے گُناہ کو سزا ملنے سے مجرم کا جُرم مِٹ نہیں سکتا اور نہ عدل کا تقاضا پُورا ہوتا ہے۔ باوجود اس کے ہماری تھیالوجی سکھاتی ہے کہ قادرِ مطلق کو انسان کی اور کوئی تدبیر نہ سُوجھی سوائے اس کے کہ اپنے بیٹے کے خلاف مقدمہ کھڑا کر دے اور بیگناہ کو مجرم کے عوض قتل کرے۔ اگر انسان کسی انسان کے ساتھ اس قسم کا سلوک کرے تو ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر خدا خدا کے ساتھ ایسا کرے تو ہم اُس کی حمد اور تعظیم کرتے ہیں"۔

حال ہی کی ایک اور کتاب میں ایک ہر دلعزیز انگریزی واعظ کسی فرضی آدمی سے درخواست کرتا ہے کہ آ کر مسیح کے سخت دُکھ سہنے کے ذریعہ سے نجات حاصل کرو۔ اور وہ شخص جواب میں کہتا ہے کہ "مَیں معلوم کرنا چاہتا ہُوں کہ یسُوع نے کیوں دُکھ سہا؟ اُس کے دُکھ سہنے سے کیا فائدہ ہُوا؟ اُس کے دُکھوں سے کونسا مقصد پُورا ہُوا جو بغیر اُن کے نہ ہو سکتا تھا؟ اگر تم اِن سوالات کا کوئی عام فہم جواب نہیں دے سکتے تو مَیں یسُوع کو فقط قابلِ رحم سمجھ سکتا ہُوں جیسا کہ کسی اور نیک ذات مجذوب کو جو قتل کیا گیا ہو سمجھنے کو تیار ہوں اس لئے کہ وہ پیش از وقت دُنیا میں آیا۔ مگر مَیں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ اُس کے دُکھ سہنے کے سبب سے اُسکی پرستش کیوں کروں۔ وہ دُکھ تو دُنیا کی غلطیوں کے ناپاک ناٹک میں بمنزلہ ایک نفرت انگیز ایکٹ کے تھا۔ مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ یسُوع کے دُکھ کس مرض کی دوا تھے۔ یا اگر کوئی محبت کرنیوالا قادرِ مطلق خُدا ہے تو مَیں اُن دُکھوں کے بغیر نجات کیوں نہیں پا سکتا۔ مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ بنی آدم توبہ کرنے سے اس وحشیانہ قتل کی قربانی کے بغیر کیوں معافی حاصل نہیں کر سکتے۔ یسُوع نے دُنیا میں لوگوں کو کشادہ دلی سے معاف کر دیا اور سوائے

توبہ کے معافی کی کسی اور شرط کا ذکر نہ کیا۔ باوجود اس کے تم کہتے ہو کہ ایک بیدردانہ قتل کے بغیر خدا تائب انسان کو معاف نہیں کر سکتا۔ صاف بات تو یہ ہے کہ میری دانست میں یہ مسئلہ نہ فقط ناقابلِ یقین ہے بلکہ اخلاقِ حمیدہ کے بھی خلاف ہے۔"

صلیب کی تعلیم کے خلاف یہ اتہام ایک آدمی کی طرف سے ہے جو فی الحقیقت اُن علماٗ اور واعظین کی نسبت اس مسئلے کو قبول کرنے کو زیادہ تیار ہے جنہوں نے اپنے شکوک کا اُس کی زبانی اظہار کیا ہے۔ اس اتہام کے جواب میں مذکورہ بالا مصنّف یہ کہتا ہے کہ "سادہ لوگ اس انصاف کو نہیں سمجھ سکتے جو ابدی سزا کا مطالبہ کرتا ہے اور ایسے باپ کا تصور دل میں نہیں لا سکتے جسے اپنے تائب بچے کو معاف کرنے کے لئے قربانی کی ضرورت ہے"۔ پھر وہ کہتا ہے کہ "حق تو یہ ہے کہ ہمارے واعظ انجیل کی بجائے اپنا وقت اُن نشانات اور استعارات کے سمجھانے میں صرف کرتے ہیں جو پہلے مبشروں نے اُس انجیل کا پیغام اپنے زمانے کے لوگوں تک پہنچانے کی جدوجہد میں استعمال کئے۔ وہ لوگ ہم سے مختلف زمانے میں بود و باش کرتے تھے۔ اُن کا مذہب خون کی قربانیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ اُن کے علاقوں پر ظالم بادشاہ حکومت کرتے تھے۔ اور انصاف کے بارے میں اُن کا تصور بیرحمی سے بھرا ہوا اور محبت سے خالی تھا۔ اُن فرضی متبرک نشانات اور استعارات کو قائم رکھنے کے لئے ہم عقل کو قربان کر دیتے اور اخلاق کو معرض خطر میں ڈال دیتے ہیں"۔ بعد ازاں وہ یوحنا پطرس اور پولوس کی گویا صحت کرتا ہے جن کے دل بقول اُس کے "خونی قربانیوں میں ڈوبے ہوئے تھے"۔ مگر جن کے بارے میں وہ مانتا ہے کہ وہ خدا کے بیٹے کی مقاربت میں رہے تھے۔ اور کہتا ہے کہ مسیح نجات بخشتا ہے نہ کہ صلیب۔ اور صلیب دُنیا میں نہایت قدرتی اور ناگریز شے ہے جیسے کہ باقی تمام وحشت انگیز طریق ہیں جن سے زندگی بتدریج پیدا ہوئی اور ہوتی ہے۔ ہماری نجات اس سے نہیں کہ مسیح کیا تھا اور اُس نے کیا کیا بلکہ اس سے ہے کہ وہ کیا ہے۔ صلیب تو ایک معمولی چیز ہے

مگر مسیح لاثانی ہے"۔ جب لوگ صلیب کے بارے میں کتابِ مقدّس کی صاف تعلیم ردّ کر دیتے ہیں تو تب وہ صلیب کا مقصد بیان کرنے سے عاجز ہو کر سوا اس کے عموماً کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس سے خُدا کی محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ مگر وہ خُدا کی محبت کے اُس بڑے عمل کی کوئی وجہ بیان نہیں کر سکتے۔

ایک اَور تازہ تصنیف میں مصنّف صلیب کو پُرانے خیال کے مطابق بطور قربانی ماننے کی طرف یُوں اشارہ کرتا ہے کہ "جدید تعلیم میں نجات کا خیال اور کہ وہ کیونکر حاصل ہوتی ہے۔ تھیالوجی کے پُرانے خیال سے سراسر متفرق ہے .... ہم میں جس قدر مسیح کی رُوح اور خود نثاری کی رُوح ہوگی اُسی قدر ہم نجات حاصل کرینگے .... خُدا کو انسان کی کسی میل کرانے والی قربانی کی حاجت نہیں۔ پُرانے خیالات کو کیوں ترک نہ کردیں؟ یسُوع نے مسرف بیٹے کی تمثیل میں جو تعلیم دی اُسی کو نجات کی سادہ اور کافی تدبیر کیوں نہ سمجھ لیں؟ یعنی خود جلاوطن شُدہ بیٹا پیشانی پر خجالت کے عرق کے ساتھ واپس آتا ہے اور باپ کا پُر محبت دِل اُسے قبول کرنے کو آگے بڑھتا ہے۔ بس یہی کافی ہے"۔

یہاں تک تو مسیح کی موت کے بارے میں آجکل کے بیانات پیش کیئے گئے ہیں۔ اب گذشتہ زمانوں میں اس کے انکار کے سلسلہ پر غور کرینگے۔ اس سے نصف صدی پیشتر اُس روشن ضمیر لا اوریہ رابرٹ انگرسول کے لیکچروں میں کفّارے کے بارے میں یہ الفاظ پائے جاتے ہیں "مسیحی عقیدہ یہ ہے کہ اگر تُم کسی بات پر ایمان رکھو تو تمہیں کسی اَور کے کسی عمل کا اجر ملیگا۔ اور جیسے تُم آدم کے گُناہ کے سبب گُناہ کے مرتکب قرار دیئے گئے ویسے ہی خُداوند کی نیکیاں تمہارے حساب میں درج کی جائینگی"۔

پین نے بھی ایک مقام پر کفّارے کی یُوں تشریح کی ہے کہ "دیوتاؤں کے حالات قلمبند کرنیوالے مسیحی بیان کرتے ہیں کہ مسیح جہان کے گُناہوں کے لئے مر گیا۔ اور وہ اسی مقصد کے لئے آیا تھا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مسیح کی موت ہم کو مرنے سے نہیں روک سکتی

اس لئے کہ ہم سب مر جاتے ہیں۔ اسی میں بنی آدم کی ابدی سزا کو شامل کر دینا خالق کے بارے میں گستاخی سے یہ کہتا ہے کہ اُس نے ذو معنی لفظ "موت" کا مغالطہ دے کر فتوے کو منسوخ کر دیا۔ مغالطوں کے گھڑنے والے مقدس پولوس نے ایک اور ذو معنی لفظ آدم کا مغالطہ دے کر اُس مغالطے کو تقویت دے دی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دو آدم تھے۔ ایک وہ جو فی الحقیقت گُناہ کرتا ہے اور کوئی اَور اُس کی جگہ سزا اُٹھاتا ہے۔ اور دُوسرا وہ جو اوروں کا قائمقام ہو کر گُناہ کرتا ہے اور فی الحقیقت سزا پاتا ہے"۔

اب انگرسول اور پین کا قصّہ چھوڑ کر اُن کے ابّا جان سیلسس کی طرف متوجہ ہونگے۔ جو اُن سے کچھ عرصہ بیشتر تھا۔ سیلسس کا خاص اعتراض مسیحیت کے خلاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں گنہگاروں اور جہان کے سب سے ذلیل لوگوں کو نجات کی دعوت دی جاتی ہے۔ بمقابلہ بُت پرستوں کی اُن خُفیہ مذہبی رسوم کے جن میں شامل ہونے کے لئے نیک اور پاک لوگوں کو بُلایا جاتا تھا۔ مسیح کی قربانی کے ردّ کرنے میں سیلسس جدید الٰہیات کے مقلّدوں سے زیادہ صحیح استدلال کرنے والا تھا۔ یہ مقلّد گناہ کے لئے کفّارے کی موت کو تو ردّ کرتے ہیں۔ مگر اُس موت کی تعریف کرتے اور ہمارے خُداوند کے اذیت اُٹھانے کے حالات شرح اور بسط کے ساتھ بیان کرتے ہیں لیکن سیلسس ہمارے خُداوند کے دُکھ سہنے پر تمسخر کرنے میں زیادہ راست رَو تھا۔ وہ کہتا ہے کہ مسیح کو اپنے باپ سے کچھ مدد نہ ملی اور وہ خود اپنی امداد نہ کر سکتا تھا۔ وہ مسیح کو ملامت کرتا ہے کہ دُکھ اور تکلیف کے وقت اُس میں برداشت کی طاقت نہ تھی اور کہتا ہے کہ جب دُکھ کے رفع کرنے کے لئے اُسے پت ملی ہُوئی مے دی گئی تو وہ مُنہ کھول کر اُسے پینے کو لپکا اور پیاس کی برداشت نہ کر سکا جیسے کہ معمولی آدمی بھی اکثر اوقات کیا کرتے ہیں۔ اُس نے گتسمنی میں کم ہمتی سے دُعا مانگی کہ وہ پیالہ اُس سے ٹل جائے اور کہ اُس کی روش میں کوئی بات، ایک ٹے ٹس کے استقلال کے مقابلے میں نہ تھی جس نے اپنے آقا سے جو اُس کی ٹانگ کو مروڑ رہا

تھا کہا کہ تُم میری ٹانگ توڑ دو گے۔ اور جب وہ ٹُوٹ گئی تو اُس نے کہا کہ "دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ ٹُوٹ جائیگی"؟

اس اتہام میں سیلسس نادانستہ طور پر مسیح کی تکالیف کے متعلق ایک خاص بات پر زور دے رہا تھا۔ یعنی وہ سمجھ نہیں سکتا تھا یا سمجھنا نہیں چاہتا تھا کہ مسیح گناہ کے لئے دُکھ سہہ رہا ہے اور گناہ کی لعنت اُٹھا رہا ہے۔ جدید الٰہیات کے مقلّد گناہ کے لئے کفّارے کی موت کو قبول کرنا نہیں چاہتے باوجود اس کے وہ گتسمنی کی خوفناک و دلگداز صورت اور گلگتھا کے تنہا دُکھ اُٹھانے والے کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ لیکن سیلسس کا رویّہ ان لوگوں سے زیادہ معقول تھا۔ کیونکہ اگر مسیح نے گناہ کیلئے دُکھ مصیبت نہیں سہی اور انسانی غم کا پیالہ نہیں پیا تو اپنی مصیبتوں میں اکیلے ٹس یا سقراط یا بہت سے دیگر گمنام اشخاص کے مقابلے میں جو سُولی پر چڑھائے گئے یا پھانسی دیئے گئے عجیب نقشہ پیش کرتا ہے۔ اگر خُدا نے ہم سب کی بدیوں کی سزا اُس کو دی اور اُسی کو جو گناہ سے واقف نہ تھا گناہ ٹھہرایا تو ہم گتسمنی میں اُس کا دُعا مانگنا کہ "اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے"، اور کلوری پر بڑی آواز سے چلّا کر کہنا کہ "اے میرے خُدا تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا" سمجھ سکتے ہیں۔

جدید الٰہیات کے پیرو عوضی کفّارے کے ردّ کرنے کا یہ سبب بیان کرتے ہیں کہ انسان اخلاقی طور پر ایسی ترقی کر گیا ہے کہ اس قسم کا خیال اُس کے لئے نفرت انگیز ہے۔ جیسے معجزات کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ علمی تجسّس کی ترقی اور انکشافات کے باعث موجودہ زمانے کے آدمی کو کنواری سے پیدا ہونے یا مسیح کے پانی پر چلنے کے معجزے کا یقین ناممکن ہے بعینہٖ ویسے ہی کفّارے کے متعلق دعویٰ سے کہا جاتا ہے کہ انسانی خیال کی ترقی اور شائستگی کے پھیلنے کی وجہ سے عہدِ جدید کے کفّارے کے مسئلے کو ماننا ناممکن ہے مگر جیسا کہ سطحی اور قدیم زمانے کے لوگ جو زمانہ حال کے علم سے بالکل

بے بہرہ تھے معجزے کو ویسا ہی قابلِ اعتراض سمجھتے تھے جیسا کہ اس زمانے میں سمجھا جاتا ہے اُسی طرح کفّارے کے خلاف نہ فقط حال کے لوگ ہی جو گذشتہ زمانوں کا تجربہ ورثہ میں لئے ہوئے ہیں اور جو مسیحیت کے موم کر دینے والے اوصاف کُن تاثرات کا پختہ پھل ہیں اعتراض کرتے ہیں بلکہ دوسری صدی کے شکی الطبع لوگ بھی معترض ہو چکے ہیں۔

کفّارے کے متعلق آج کے جدید الٰہیات کے مقلّدوں اور نصف صدی پیشتر کے انیسویں اور اٹھارھویں صدی کے موحدوں اور دوسری صدی کے بدعتیوں اور یہودیوں کے لئے جن کے نزدیک وہ ٹھوکر تھا اور یونانیوں کے لئے جن کے نزدیک وہ بیوقوفی تھا کفّارے کے نفرت انگیز ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ انسان کی قوّتِ انصاف غیر معمولی ترقی کر گئی ہے۔ یا خدا کی راستبازی کے لئے حقیقی غیرت پیدا ہو گئی ہے کہ تمام دُنیا کا انصاف کرنیوالا جو کچھ راست ہے کیونکر کریگا۔ بلکہ اس کا سبب صلیب کے مدعا کے خلاف ایک طبعی اعتراض اور تنفّر ہے۔ وہ مُدعا یہ ہے کہ ہم گنہگار ہیں اور خود بخود کچھ نہیں کر سکتے۔ اُس لئے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جیسا ایک سب کے واسطے مؤا تو سب مر گئے۔" صلیب کی ٹھوکر یہ ہے کہ وہ نہ فقط نجات بخش ہے پر ملزم ٹھہراتی ہے۔ وہ انسان کا سب علم طاقت۔ فخر۔ شہرت۔ دولت قدرتی اُمیدوں اور اُسکے گذشتہ کارناموں کو لیکر کہتی ہے کہ "یہ سب کچھ ہیچ ہے"

صلیب گناہ کے بارے میں جو کچھ کہتی ہے اور جس سے انسان کا دل ٹھوکر کھا جاتا ہے وہ بیتن کے اُس بیان سے واضح ہوتا ہے جو اُس نے مسیحی تعلیم کی رُو سے گنہگار انسان کی بابت لکھا کہ "انسان کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ وہ مُرتد اور مردود اور گرا اور مفلس اور اپنے خالق سے بعید فاصلے پر گویا گھورے پر پھینکا ہوا ہے اور باریابی حاصل کرنیکے لئے اُسے درمیانی ہستیوں کی خوشامد کرنی ضرور ہے اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان ہر ایک مذہبی معاملے کو قابلِ نفرت اور فضول سمجھنے لگ جاتا ہے یا وہ بے پروا ہو جاتا ہے اور یا اپنے خیال کے بموجب دیندار بن جاتا ہے۔ اس مؤخر الذکر حالت میں وہ اپنی زندگی رنج و الم میں یا ریاکاری میں

برباد کر دیتا ہے"۔ سیکس بھی اسی طرح جدید الٰہیات کے معتقدین اور لاادریہ سے ایک قدم آگے بڑھ جاتا ہے۔ وہ مسیحیوں کو مشابہ کرتا ہے چمگادڑوں کے غول سے اور چیونٹیوں کے جھنڈ سے جو اپنی بِل میں سے نکل پڑتے ہیں۔ اور مینڈکوں سے جو خندقوں میں بیٹھ کر پنچایت کیا کرتے ہیں اور اُن کیڑوں سے جو گھورے کے کونے کے اندر ملجل کر رینگتے ہیں اور ایک دوسرے سے جھگڑتے ہیں کہ ہم میں سب سے بڑا گنہگار کون ہے۔

جدید الٰہیات کی قدامت

جو بے اعتقادی مسیحی تعلیم کے خلاف آج کے دن چاروں طرف نظر آتی ہے اُس میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ وہ بیدینی کی اسی رُوح کی صدا ہے جو دُنیا میں شروع سے موجود ہے۔ یہ کوئی قدیم یا وسطی زمانے کے خیالات کا سوال نہیں بلکہ انسان کے دل اور اُسکی عقل کا سوال ہے جو خدا سے دُشمنی ہے اور اُس سے علیحدہ ہو گئی ہے مسیحیت اپنے آپ کو انسان کے آگے بطورِ گُناہ کے علاج کے پیش کرتی ہے۔ مگر کسی زمانے میں انسان نے اپنے گنہگار ہونیکا اقرار کرنا پسند نہیں کیا۔ اس لئے اُس نے مسیحیت کو یا تو رد کر دیا ہے اور یا جو زیادہ عام اور آجکل زیادہ مروج ہے اُس کو نئے طرز پر ادا کرنے اور اُس کے بڑے مسائل کی ایسی تشریح کرنیکی کوشش کی ہے جو کسی فرضی شخص پر عائد ہو سکے جو گمراہ گنہگار نہیں ہے۔ مگر یہ کوشش ناکامیاب ثابت ہوئی ہے مسیحی مذہب برباد شدہ گنہگاروں کیلئے ہے اور کسی اور قسم کے انسان کے لئے کارآمد نہیں ہو سکتا۔ مسیحیت کی موجودہ بے ترتیب حالت جہانتک اُسکا اعتقاد کے ساتھ تعلق ہے سر بسر اسی سبب سے ہے۔ کہ اُسکے ابتدائی بڑے اصول کہ انسان برباد شدہ گنہگار ہے جو اپنی مدد آپ کر نہیں سکتا اور اگر مسیح اُسے نہ بچائے تو وہ ہلاک ہو جائیگا۔ دیدہ و دانستہ سختی سے رد کیا جاتا یا بے اعتنائی سے قابلِ توجہ سمجھا نہیں جاتا۔ . . . . اس کی اصل بنیاد اور وجہ یہ ہے کہ انسان گناہ کے لئے خدا کا علاج منظور کرنے پر راضی نہیں

خواہ اِس انکار یا خُدا کی نجات بخش محبت کے اِرتداد کو ہیکلس یا والٹئیر یا پین یا انگرسول کے الفاظ میں یا جدید الہیات کے معلّموں اور واعظوں کے میٹھے میٹھے لفظوں میں ادا کیا جائے سب کی تہ میں ایک ہی بات ہے کوئی آدمی ایمان کے بغیر مسیحی نہیں ہو سکتا اس ایمان کا بنیادی اصول یہ ہے۔ کہ انسان اپنے آپ کو گنہگار سمجھے بنی آدم کا اس سے انکار کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہر زمانے میں لوگوں کو یہ سنجیدہ اور ہولناک آزادی حاصل ہے کہ اگر وہ چاہیں تو خُدا کے بیٹے کو رد کر سکتے ہیں ہم اُن سے منت عرض کرتے ہیں کہ ایسا نہ کریں ہم اُنہیں توبہ کرنے اور خُداوند یسوعؔ مسیح پر ایمان لاکر نجات پانے کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر وہ ایمان لانا نہیں چاہتے تو چاہیئے کہ وہ مردِ میدان ہو کر اُس کا اقبال کریں۔ اور اُس غضب کے مقابل کھڑے ہو جائیں جس کی جان تک دریغ نہ کرنے والی محبت کو وہ حقیر سمجھتے ہیں۔ جس بات کو ہم اُن میں گوارا نہیں کر سکتے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی بے دینی کو دورِ جدید کا لباس پہنا کر یہ جتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ اُس بے دینی سے کسی طور سے مختلف ہے جس نے گنہگاروں کے منجی کا اُس کی پہلی آمد کے وقت مقابلہ کیا اور جو اُس کے ساتھ جنگ کرتی جائے گی جب تک کہ وہ تمام دشمنوں کو اپنے پاؤں تلے نہ لے آئے۔ جب ہیرودیس مر گیا تو خُداوند کے فرشتے نے مصر میں یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا کہ اُٹھ اُس بچّے اور اُس کی ماں کو لے کر اسرائیل کے ملک میں چلا جا۔ کیونکہ جو بچّے کی جان کے خواہاں تھے وہ مر گئے۔ ہر نئے زمانے میں ہیرودیس کے جانشین ہوتے آئے ہیں جو بچّے کی جان کے خواہاں رہے ہیں اُن کا مدعا ہر زمانے میں ایک ہی ہے۔ گو وہ نئے نئے لباس میں ظاہر ہوئے ہیں اور نئے نئے الفاظ وضع کئے گئے ہیں اور نئے نئے ہتھیار کام میں لائے گئے ہیں۔ مگر اس مقابلے کا انجام خُداوند کے فرشتے کے اُن الفاظ میں ہُوا ہے کہ "جو بچّے کی جان کے خواہاں تھے وہ مر گئے" بے دینی کی نسلیں آتی جاتی رہینگی مگر وہ ابدی بچّہ ہمیشہ تک زندہ رہیگا۔

سوسائٹی کی اپنی مطبوعات

تحقیقِ بائبل :- از پروفیسر ڈاڈز صاحب بائبل کی تدوین
اور خاصیت پر عالمانہ بحث کی گئی ہے۔ صہ ۱۵۶
۴ر

لُغاتِ عبرانی - از پادری ڈبلیو ہوپر صاحب۔ عبرانی زبان
کی لُغات جس میں عبرانی زبان کے الفاظ کے معنی اُردو میں لکھے
گئے ہیں۔ جلد کپڑا۔ قیمت ا روپیہ

مسیحی مذہب کے ابتدائی حالات - لوقا کی انجیل اور رسولوں
کے اعمال کی کتاب کے مطابق۔ صہ ۱۲۵
۲ر

کلیسیائے ہند اور مسیحی خادم - از پادری ڈبلیو رنیس ایم اے۔
قیمت ۸ر صفحات ۲۱۲

مسیحی تعلیم کا خلاصہ :- از پادری آر۔ اے لینڈرم صہ ۴۸ قیمت ۶ر

خُدا کی ہستی - صہ ۱۵۲ قیمت ۴ر

کلام اللہ کے تجسّم کے بیان میں - صہ ۲۷ سٹف ۶ر

پنجاب ریلجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور